رجسٹرڈ ایل نمبر ۱۷۹

Digitized by Khilafat Library Rabwah

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم

ھُوَالَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْہِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ

عَسٰٓی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا

دُنیا کے مذاہب پر نظر اور اہل مذاہب کا تشحیذ الاذہان

(یعنی)

ریویو آف ریلیجنز اُردو رسالہ

ایڈیٹر۔ قاضی محمد ظہور الدین اکمل

جلد ۵ | مئی ۱۹۲۹ء مطابق ذیقعدہ ۱۳۴۷ھ | نمبر ۵

[illegible]

چندہ سالانہ ہندوستان میں تین روپیہ ہندوستان سے باہر ساڑھے تین روپیہ

فہرست مضامین

روح انسانی کی حقیقت	۱۶۱/۱۸۴	ڈاکٹر چوہدری شاہنواز خان صاحب ایم بی بی ایس
تحفۃ المتشیعین نمبر ۳	۱۸۵/۱۹۲	مولانا سید صادق حسین صاحب اٹاوی
عصمتِ انبیاءؑ	۱۹۳/۱۹۷	مولانا محمد صادق صاحب مولوی فاضل
قضیہ راجپال	۱۹۸/۲۰۱	از خطبہ جمعہ حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ بنصرہ

مطبع ضیاء الاسلام قادیان میں بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی پرنٹر و پبلشر نے چھاپا کر صدر انجمن احمدیہ قادیان کے لئے شائع کیا

Digitized by Khilafat Library Rabwah

اخباروں کی اشاعت

ارشاد حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ بنصرہٖ

جس طرح خاص دائرہ میں کتابیں بہت اثر کرتی ہیں۔ اسی طرح ایک دائرہ میں اخبارات بھی بہت اثر کرتے ہیں۔ ہمارے کئی ایک اخبار ہیں۔ الفضل۔ سن رائز۔ ریویو انگریزی اُردو۔ مصباح۔ احمدیہ گزٹ۔ یہ تو صدر انجمن اخبار ہیں۔ انکے علاوہ فاروق اور نور بھی ہیں۔ پھر بنگال اور سیلون سے بھی ہمارے اخبارات شائع ہوتے ہیں۔ ممکن ہے۔ اور جماعتیں بھی شائع کرتی ہوں۔ بعض جماعتیں ٹریکٹ شائع کرتی ہیں۔ انکی اشاعت کی طرف بھی میں توجہ دلاتا ہوں پچھلے دنوں الفضل اور سن رائز کی تعداد اشاعت بڑھ گئی تھی۔ لیکن اب اس میں کمی واقعہ ہو گئی ہے۔ دوستوں کو چاہیئے کہ اپنے اپنے ہاں ایسے ایجنٹ مقرر کریں جو سلسلہ کی کتب اور اخبارات فروخت کریں۔ اور خود بھی فائدہ اُٹھائیں۔ ایک صیغہ بھی قائم کیا گیا ہے تاکہ دوستوں میں تحریک کرکے کتب اور اخبارات کی توسیع و اشاعت میں مدد دے۔ اور میاں صباح الدین صاحب کو جو ولایت میں بھی رہے ہیں۔ اس کام پر مقرر کیا گیا ہے میں امید کرتا ہوں۔ وہ اپنے کام کو صحیح طریق پر چلائیں گے ÷

صدر انجمن احمدیہ کے اخبارات

۱۔ احمدیہ گزٹ :۔	نظارتوں کی رپورٹیں اعلانات	ماہوار	عہ سالانہ
۲۔ الفضل :۔	حضرت امام کے کلمات طیبات تقاریر خطبات جمعہ شائع کرتا ہے۔	ہفتہ میں دو بار	سالانہ
"	اس کا خاتم النبیین نمبر مئی کے آخری ہفتہ میں آب و تاب سے نکلے گا قیمت پرچہ ۲۶ ۔۔ ٹکٹ ۴		
۳۔ ریویو آف ریلیجنز اُردو :۔	تائید احمدیت پر علمی مضامین	ماہوار فی پرچہ ۵	سالانہ
۴۔ ریویو آف ریلیجنز انگریزی :۔	لنڈن سے نکلتا ہے	"	سالانہ
۵۔ سن رائز :۔	نوجوانوں کو اسلام پر مضبوط رکھنے کے لئے پندرہ روزہ		سالانہ۔ عہ طلباء سے
۶۔ مصباح :۔	خواتین سلسلہ احمدیہ کا اخبار مہینے میں دو بار		سالانہ

نقشہ اجرت اشتہار

ریویو آف ریلیجنز اردو کئی لاکھ کی احمدی جماعت کا واحد ماہوار رسالہ ہے اور اسکو نہایت ذوق شوق سے پڑھا جاتا ہے اور اسکے فائل مجلد محفوظ رکھے جاتے ہیں۔ اشتہار دینے والوں کے لئے بہترین موقع ہے +

ضمیمہ ۲ صفحے ۱۲ ارسینٹ کے حساب سے تقسیم ہوگا۔ اور اُجرت حسب ذیل ہے :۔

سالانہ	ایک صفحہ	۴۰ روپے	نصف صفحہ	۲۳ روپے
چھ ماہ	"	۲۳ "	"	۱۲ "
تین ماہ	"	۱۲ "	"	۷ "

فی اشاعت ایک صفحہ ۴ چار روپے + نصف صفحہ ۲ روپے + فی سطر ۴

(مینیجر ریویو اردو قادیان)

Digitized by Khilafat Library Rabwah

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

رُوحِ انسانی کی حقیقت

(ڈاکٹر چوہدری محمد شاہ نواز خاں صاحب ۔ ایم ۔ بی ۔ بی ۔ ایس ۔ کاکامری ۔ یوگنڈا)

وہ ذرۂ حیات جس سے نسلِ انسانی کی ابتدا ہوئی آج سے لاکھوں کروڑوں سال قبل دنیا میں بطور بیج کے ڈالا گیا۔ وہ ذرہ آہستہ آہستہ نباتاتی اور حیوانی مختلف شکلوں میں سے گذرتا ہوا جسمانی ارتقا کے مختلف درجے طے کرتا گیا۔ جس سے اشرف المخلوقات حضرت انسان کے جسم کی تکمیل ہوئی۔ اور اس کے بعد انسان کا جسمانی ارتقا بند ہو گیا۔ کیونکہ اس کے جسم کے اندر بطور نچوڑ یا خلاصہ کے ایک لطیف جوہر پیدا ہو گیا۔ جس کا نام روحِ انسانی ہے ؎

اسلام مسئلہ ارتقاء حیوانی کا قائل ہے۔ مگر اُن معنوں میں نہیں جن معنوں میں ڈارون یا ہکسلے اور انکے رفقاء تسلیم کرتے ہیں کہ انسان کے آباء و اجداد بندر کی قسم کے (جو اب مفقود ہے) حیوان تھے ؎

ہر چیز میں ارتقاء ہے

انسان کیا ہر مخلوق چیز مثلاً جمادات ۔ نباتات ۔ حیوانات سب نے ارتقائی ترقی کی ہے۔ مگر ہر جنس کا ارتقاء الگ الگ تھا ۔ اور ایک جنس دوسری جنس سے پیدا نہیں ہوئی ۔ انسان آج سے کروڑوں اربوں سال قبل بھی انسان ہی تھا۔ اور جب وہ دنیا میں بطور بیج کے ایک ذرۂ حیات کی شکل میں رکھا گیا تو اسوقت بھی اسکا خمیر انسان کا ہی تھا۔ گو اُس نے اس نشوونما کے زمانہ میں مختلف ارتقائی اثرات کے ماتحت ۔ نباتاتی اور حیوانی شکلوں کو اختیار کیا۔ مگر نہیں کہہ سکتے کہ اسوقت انسان کدّو ۔ تربوز یا مچھلی ۔ مینڈک اور بندر تھا۔ کیونکہ ان کے ساتھ انسانی جسم کو صرف سطحی مشابہت تھی۔ اور اس مشابہت میں حکمت یہ تھی کہ انسان اپنا بچاؤ کر سکے ؎

وہ انسانی جسم جو رحمِ زمین میں قدرت کے حوادث اور دیگر مخلوق کے زبردست مقابلہ کے باوجود لاکھوں کروڑوں سالوں تک اپنی ہستی کو قائم رکھ سکا ۔ اور جب وہ اس آزمائش اور ابتلاؤں کے بعد امتحان میں پورا اُترا ۔ اور اس قابل ہو گیا کہ زمانہ کے اثرات کا مقابلہ کر سکے ۔ تو اللہ تعالےٰ کی

Digitized by Khilafat Library Rabwah

رحمت جوش میں آئی اور اس نے نہ چاہا کہ زیادہ دیر تک اس انسان اشرف المخلوقات کو اس نباتاتی اور پستی کی حالت میں رکھے۔ پس اُس نے اسکی نشوونما کے زمانہ کو یک دم کم کر دیا۔ یعنی کروڑوں سالوں کی بجائے اسکی میعاد نَو ماہ کر دی۔ اور رحم زمین کی بجائے اسکی پیدائش کا مقام رحم مادر بنا دیا۔ جو زمین سے کہیں زیادہ محفوظ اور آرام دِہ تھا۔ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الانسان من سلٰلة من طين ثمّ جعلنٰهُ نطفة فی قرارٍ مّکين (مومنون عٗ) اُدھر انسان کے نطفہ میں یہ خاصیّت رکھدی کہ اُس سے اسکی نسل پیدا ہو سکے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اس ۹ ماہ کے قلیل عرصہ میں اب بھی جنین ان ظلمات ثلٰثہ میں سے گذرتا ہے۔ یعنی نطفہ۔ نباتاتی اور حیوانی حالت اس پر وارد ہوتی ہے اور وہ ظاہری شکل کے لحاظ سے ایک دفعہ پھر مچھلی مینڈک اور بندر وغیرہ کی شکل اختیار کر کے اپنی پہلی طرز پیدائش کو دُہراتا ہے۔ اور ہم کو یاد دلاتا ہے۔ کہ ہم کس پستی اور خطرے کی حالت میں تھے جس سے رحمٰن خدا نے ہم کو محض اپنے فضل سے نکالا۔ پس ہم کو اس کا شکرگذار بندہ بننا چاہیئے۔ قرآن کریم میں آتا ہے الذی احسن کُلّ شیءٍ خلقهٗ وبدا ء خلق الانسان من طين ثمّ جعلَ نسله من سلٰلةٍ من ماءٍ مهين (سجدہ عٗ)

رُوح کی حقیقت کا علم یسئلونك عنِ الروح۔ قل الروح من امر ربّی۔ وما اوتيتم من العلم الّا قليلا۔ (بنی اسرائیل) رُوح کی اصل حقیقت تو وہ ہستی ہی جانتی ہے جس کے ہاتھوں سے وہ نکلی ہے۔ یا پھر اس کی حقیقت سے وہ پاکیزہ ہستیاں واقف ہیں۔ جنہوں نے اپنا دامن اس محبوب حقیقی سے جوڑا۔ اور الہام کے ذریعے ان نہاں در نہاں اسرار اور عجائبات کا علم حاصل کیا۔ پس عقل کے ذریعے روح کی حقیقت معلوم کرنا غلطی ہے۔ کیونکہ رُوح کے خواص اثرات اور صفات کو اُن قوانین سے معلوم نہیں کیا جا سکتا۔ جو کثیف مادّی اشیاء کے لئے ہیں۔ پس الہام کی روشنی کے بغیر رُوح انسانی کی حقیقت اور اسکی کیفیّات کو معلوم کرنا ناممکن ہے ٭

اس مضمون میں یہ عاجز اس نور کی روشنی میں جو حضرت احمد نبی اللہ علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے ذریعے ہم کو ملا ہے۔ رُوح انسانی کی مختصر حقیقت بیان کریگا۔ اور اسکو علوم جدیدہ کی روشنی میں عام فہم بنانے کی کوشش کریگا۔ واللہ الموفق ٭

رُوح کی ہستی کے متعلّق کئی خیال پائے جاتے ہیں۔ بعض فلسفی تو رُوح کا بالکل ہی انکار کرتے ہیں اور اُن کا یہ خیال ہے کہ دماغ ہی جسم کی زندگی کا موجب ہے۔ جہاں تک مَیں نے غور کیا ہے سائنس روح کی ہستی کے خلاف کوئی دلیل نہیں دے سکتی۔ بڑے سے بڑے فلسفی اور دہریہ گو روح کی ہستی

Digitized by Khilafat Library Rabwah

کے قائل نہیں۔ مگر وہ اس کا عدم وجود بھی ثابت نہیں کر سکتے۔ پس موجودہ سائنس اس لحاظ سے نہ روح کی تائید میں ہے نہ اس کے خلاف۔ نہ تو یہ جسم میں روح کا وجود ثابت کر سکی ہے اور نہ اسکے خلاف دلیل دے سکتی ہے۔

رُوح کیا ہے؟ اسلام کا یہ عقیدہ ہے۔ کہ رُوح فی الواقع کوئی چیز ہے۔ جو جسم کے اندر سے نکلا ہوا لطیف در لطیف خلاصہ ہے۔ اور موت کے بعد روح انسانی باقی رہتی ہے۔ رُوح کے ذریعے انسان اُن لطیف علوم کو حاصل کرتا ہے جو حواسِ سبعہ سے حاصل کرنا ممکن ہے۔ رُوح کا قلب کے ساتھ ایک باریک تعلق ہے جسکو سائنس اب تک بیان نہیں کر سکی۔ مگر صاحبِ تجربہ لوگ اسکو جانتے ہیں۔ رُوح دل کی قوّت منفعلہ اور دماغ کی قوّت متفکرہ کے ذریعہ انسانی جسم کی ظاہری قوتوں پر اثر ڈالتی ہے یہی وجہ ہے کہ روح پر جذبات اور افکار کا زیادہ اثر ہے۔

رُوح کی صفات بہ نسبت ظاہری حرکات کے۔ درحقیقت رُوح میں قوّت باصرہ۔ سامعہ۔ ذائقہ۔ لامسہ۔ شامہ۔ فاعلیہ۔ حاسّہ۔ متفکرّہ۔ مُنفعلہ سب طاقتیں موجود ہیں۔ مگر رُوح چونکہ لطیف چیز ہے۔ اسلئے مجرّد رُوح اس مادّی (کثیف) دنیا میں اپنی صفات کا اظہار نہیں کر سکتی۔ اور اس کے لئے وہ ایک جسم کی ہر وقت محتاج ہے۔ درحقیقت رُوح دیکھتی اور سُنتی ہے مگر وہ اس دنیا کی روشنی اور آواز کا اثر قبول کرنے کے لئے آنکھ۔ کان۔ نورانی پردے، اعصاب۔ اور دماغ کے وسیلہ کی محتاج ہے۔ پس ان حواس سبعہ میں سے کوئی اگر ناکارہ ہو جائے۔ تو رُوح بھی اپنی اُس صفت کا اظہار اس دنیا میں نہیں کر سکتی۔ مثلاً اگر کوئی شخص اندھا ہو تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ اُسکی رُوح بھی اندھی ہے۔ بلکہ صرف یہ ہے کہ اسکی رُوح بوجہ آنکھ کے نقص کے اس دُنیا میں صفت بصارت کا اظہار نہیں کر سکی۔ لیکن موت کے بعد جب یہ ناقص آنکھ اس سے جُدا ہو جائیگی تو اسکی رُوح یقیناً دیکھ سکیگی۔ یہی حال دیگر حواس کا ہے۔ پس روح اپنی صفات کے اظہار کے لئے اسی دنیا میں مادّی جسم کی محتاج ہے۔ اور جب یہ جسم اسکی صفات کے اظہار کے قابل نہیں رہتا تو روح جسم سے الگ ہو جاتی ہے۔ اور اسی کا نام موت ہے۔

قلب اور دماغ کے افعال روح کا تعلّق قلب سے ہے۔ الہام کا نزول بھی قلب پر ہوتا ہے۔ جہاں سے وہ روحانی اثر پھر دماغ کی طرف منتقل ہو کر الہام کا احساس ہوتا ہے۔ اور کان آواز کو سُنتے ہیں۔ یا زبان پر لفظ جاری ہو جاتے ہیں۔ یا ہاتھ لکھنے لگ جاتے ہیں۔ اسی واسطے قرآن کریم کے نزول کے متعلق نزّله علىٰ قلبك آیا ہے۔ یعنی ہم نے تیرے (محمدؐ) قلب پر نازل کیا ہے۔ پس قلب کا کام روحانی اور لطیف اثرات کو جذب کرنا ہے۔ مگر قلب کے ذریعہ انکا احساس نہیں ہو سکتا۔ حس پیدا کرنے کے لئے دماغ کی موجودگی ضروری ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ روحانی ترقیات کے لئے دماغی صحت اور درستی بھی لازمی ہے۔

Digitized by Khilafat Library Rabwah

تمام حواسِ ظاہری کا مرجع دماغ ہے۔ اور حواسِ باطنی کا منبع قلب ہے۔ دل کی مثال بادشاہ کی ہے۔ اور دماغ کی حیثیت وزیر کی۔ دماغ ہر وقت تراش خراش میں لگا رہتا ہے۔ نئے نئے تجاویز سوچتا رہتا ہے۔ دماغ دلائل اور براہین سے کام لیتا ہے۔ مگر قلب میں قُوّت حاسّہ ہے۔ اس پر دلائل کا اتنا اثر نہیں جتنا کہ جذبات اور افکار کا۔ پس دماغ (وزیر) جب کسی بات کے متعلق عقل دوڑا کر نتائج مترتب کر لیتا ہے۔ تو انکو قلب (بادشاہ) کے سامنے منظوری کے لئے پیش کرتا ہے۔ اگر قلب اس فعل کی تائید کرے تو اسکے کرنے کا حکم دے دیتا ہے۔ فلسفیوں کا خیال ہے کہ قلب صرف خون کو پھیرنے والا پمپ ہے۔ اس کے ساتھ اچھے یا بُرے افعال کا تعلّق نہیں۔ سب عمدہ کام دماغ سے وابستہ ہیں۔

مگر اُنکا یہ خیال غلط ہے۔ قلب صرف خون کو پھیرنے کا پمپ ہی نہیں۔ بلکہ وہ تمام حواسِ باطنی کا مرجع اور قُوّت حاسّہ اور جذبات کا مرکز بھی ہے۔

دماغ دلائل اور براہین کا ملکہ اپنے اندر رکھتا ہے۔ قُوّت متفکّرہ متخیّلہ۔ اور حافظہ وغیرہ کا مرکز ہے۔ اسلئے اسکے اندر تکلّف ہے۔ قلب میں تکلّف نہیں وہ ربّ العرش سے مناسبت رکھتا ہے۔ اُس کے جلال کا تخت گاہ ہے۔ بعض دفعہ عقلی دلائل انسان کو نیکی سے محروم کر دیتے ہیں۔ اسی واسطے حدیث میں آتا ہے کہ جب کسی معاملہ کے متعلّق انشراحِ صدر نہ ہو۔ تو دل سے فتویٰ پوچھ لو۔ کسی کو کوئی بے رحمی سے مار رہا ہو۔ تو قلب میں مظلوم کو چُھڑانے کی تحریک ہوتی ہے۔ اور دل نیکی کی طرف مائل ہوتا ہے۔ لیکن دماغ سے اسوقت کام لیا جائے۔ تو ہوسکتا ہے کہ دماغ مارنے والے کو حق بجانب خیال کرے کہ ممکن ہے اِس نے مالک کا کچھ چُرایا ہو۔ اور اس طرح انسان نیکی سے محروم رہ جائے +

بہت ہیں جو دماغ سے کام لینا جانتے ہیں۔ چنانچہ غیر مذاہب والے دماغ سے خوب کام لے رہے ہیں۔ نئی نئی ایجادیں ہو رہی ہیں۔ حیرت انگیز آلات بن رہے ہیں۔ مگر یہ سب دماغ کے کرشمے ہیں۔ دہریہ اور فلسفی بھی دماغ سے کام لیتے ہیں۔ مسٹر ایڈیسن جب کوئی نئی ایجاد کرتا ہے تو وہ بھی اسکو القاہی خیال کرتا ہے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ ایک قسم کا اِلقا ہی ہے جو قلب پر نہیں بلکہ دماغ پر اور جبرائیل کے توسّط سے نہیں بلکہ میکائیل کے توسّط سے ہوتا ہے حضرت میکائیل کا کام دنیا کے لئے روزی کا سامان مہیّا کرنا ہے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں۔ کہ مغرب نے میکائیل کی تحریکوں سے خوب فائدہ اُٹھایا ہے۔ اور رزق انکو با فراغت مل رہا ہے۔ مگر انسان تو تب انسان کہلانے کا مستحق ہے۔ جب اس کا دماغ قلب کے تابع ہو جائے۔ اور وہ قلب کو ایسا صیقل کر لے۔ کہ حضرت جبرائیل کی تحریکوں سے فائدہ اُٹھا سکے۔ اور حضرت ربّ العزّت کے انوار فیوض

Digitized by Khilafat Library Rabwah

اور صفات اس میں نظر آنے لگیں۔

رُوح انسانی کی پیدائش

اسلام کا یہ عقیدہ ہے کہ رُوح باہر سے نہیں آتی۔ بلکہ وہ جسم کے اندر سے ہی نکلتی ہے۔ رحمِ مادر میں جسم کچھ ایسی کیفیات میں سے گذرتا ہے کہ اسکے اندر ساتھ ساتھ ایک لطیف جوہر بھی نکلتا جاتا ہے۔ اس جوہر یا خلاصہ کا نام رُوح ہے۔ اسکی مثال ایسی ہے جیسے جَو کو خاص ترکیب سے سڑانے سے شراب نکل آتی ہے یا جست اور تانبے کو گندھک کے ہلکے تیزاب میں ڈالنے سے بجلی پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ جوہر جب جسم میں سے پوری طرح نکل کر جسم سے اپنا تعلق مضبوط کر لیتا ہے۔ تو پھر انسانی قالب حرکت کرنے لگ جاتا ہے۔ اور انسان زندہ ہو جاتا ہے۔ اسی دن سے رُوح ایک الگ اور مستقل وجود ہوتا ہے جو جسم کے فنا ہو جانے کے بعد بھی قائم رہتی ہے۔ گو ہر چیز کو سوائے اللہ تعالیٰ کی ذات کے فنا ہے کل من علیھا فان ویبقیٰ وجہ ربّك ذوالجلال والاکرام۔ مگر اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی چیز اپنی ذات میں غیر فانی اور ابدی نہیں۔ ہاں جو چیز اللہ تعالیٰ کی صفت قیوم کے ماتحت آجائے وہ باقی رہ سکتی ہے۔

رُوح کو فنا نہیں

یہ خیال کہ موت کے بعد رُوح انسانی بھی جسم کے ساتھ فنا ہو جاتی ہے۔ عقل کے خلاف ہے۔ کیونکہ پھر یہ ماننا پڑیگا کہ اللہ تعالیٰ نے اتنا بڑا کارخانہ زمین و آسمان۔ چاند۔ سورج۔ ستارے وغیرہ۔ محض اسلئے بنائے کہ حضرت انسان اس میں کھا پی کر فنا ہو جائے۔ کیا اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل اسلئے دی۔ اسکا اشرف المخلوقات بنا کر تمام دیگر مخلوقات کو اسکے ماتحت اسلئے کر دیا کہ یہ انسان ۵۰--۶۰ سال زندہ رہکر اس دنیا سے گذر جائے۔ اور اسکی زندگی کا اِسی دنیا میں خاتمہ ہو جائے۔ نہیں ہرگز نہیں۔ یہ خیال سراسر باطل ہے۔ اور عقل۔ مشاہدہ اور تجربہ کے خلاف ہے۔ یقیناً انسان لاانتہا ترقیات کیلئے بنایا گیا ہے۔ اور انسانی رُوح کو مرنے کے بعد فنا نہیں۔ بلکہ اسکے بعد اسکے لئے ایک غیر منقطع زمانہ ترقیات کا ہے۔ قرآن کریم میں آتا ہے افحسبتم انما خلقنٰکم عبثا وانکم الینا لا ترجعون۔ کیا تم یہ گمان کرتے ہو۔ کہ ہم نے تم کو بے فائدہ اور بلا غرض بنایا ہے۔ اور تم ہماری طرف مرنے کے بعد لَوٹائے نہیں جاؤ گے؟

مرد کے نطفہ اور عورت کے انڈہ دونو میں رُوح انسانی نہیں ہوتی۔ ہاں ان میں زندگی ہوتی ہے جس کا ثبوت یہ ہے کہ دونو میں نشو و نما پانے کی قابلیت ہے۔ اگر ہر زندہ چیز میں ایک رُوح کا وجود تسلیم کیا جائے تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ نطفہ میں بھی ایک کثیف رُوح ہوتی ہے۔ جب دونو آپس میں

Digitized by Khilafat Library Rabwah

ملتے ہیں تو اس میں بعض کیمیاوی اور بائیولاجیکل تبدیلیاں ہوتی ہیں جن کی حقیقت کو سائینسدان معلوم نہیں کر سکے۔ اور ۴ ماہ کے بعد جنین کے جسم سے ایک لطیف جوہر نکل آتا ہے۔ جس کا نام رُوح انسانی ہے۔ چنانچہ ۴ ماہ کے بعد قلب حرکت کرنی شروع کر دیتا ہے۔ اور جنین کی حرکات کو والدہ پیٹ میں محسوس کرتی ہے۔ تب عُرف عام میں کہا جاتا ہے کہ بچّہ میں جان پڑ گئی ہے۔ اُسی دن سے رُوح ایک الگ مستقل اور غیر فانی وجود ہے۔ نو ماہ کے بعد جب بچّہ رحم مادر سے نکلتا ہے تو باہر آکر سانس لینا شروع کر دیتا ہے۔ گو رحم مادر میں بچّہ سانس نہیں لیتا مگر پھر بھی زندہ ہوتا ہے۔ پس معلوم ہُوا۔ کہ رُوح کے جسم کے اندر موجود ہونے یا نکل جانے کا سانس کے چلنے یا بند ہو جانے سے تعلّق نہیں۔ ہاں قلب کی حرکت یا عدم حرکت کا رُوح کی موجودگی یا عدم موجودگی سے گہرا تعلّق ہے۔ چنانچہ قلب کے حرکت کرنے کا نام زندگی ہے اور اس حرکت کے مکمّل طور پر بند ہو جانے کا نام موت ہے۔ جب رُوح جسم سے الگ ہو جائے تو قلب مکمّل طور پر ٹھیر جاتا ہے۔ جسکے بعد پھر انسان زندہ نہیں ہو سکتا۔

جسم انسانی اور مکان کی تعمیر میں فرق جسم انسانی اور مکان کی تعمیر میں فرق ہے۔ مکان کی تعمیر میں پہلے بنیاد کھودی جاتی ہے۔ پھر دیواریں چُن کر بعد میں چھت ڈالی جاتی ہے۔ مگر انسانی جسم کا یہ حال نہیں۔ اس میں جسم کے تمام اعضاء یکدم بڑھتے ہیں۔ یعنی اس طرح نہیں ہوتا کہ پہلے پاؤں تیار ہوں پھر ٹانگیں پھر ان پر پیٹ اور سینہ لگا کر آخر میں سر کو اوپر رکھ دیا جائے بلکہ نطفہ کے اندر ہی (جو اسقدر باریک اور چھوٹا ہوتا ہے کہ بغیر خوردبین کے نظر بھی نہیں آسکتا) قادرِ مطلق نے جسم کے تمام اعضاء مثلاً آنکھ۔ کان۔ ناک۔ مُنہ۔ زبان۔ اور ہر ایک شریان۔ ورید۔ عصب اور عُضلہ۔ پہلے سے ہی موجود رکھا ہوتا ہے۔ والدہ کے خون سے صرف ان اعضاء کی نشو و نما ہوتی ہے۔ اور وہ قد۔ جسامت یا حجم میں بڑھتے ہیں۔ ماں اپنے جسم سے ایک ذرہ کی بھی اس میں کمی بیشی نہیں کرتی۔ اُسکا کام صرف خوراک دینا ہے۔ چنانچہ اسقاط شدہ بچّوں کے جسموں کو بغور دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک یا دو ماہ کے بچّہ میں بھی آنکھ۔ ناک۔ اعضائے مخصوصہ۔ بازو۔ ٹانگیں سب نمایاں ہوتے ہیں۔ پس نو ماہ کے عرصہ میں وہ نطفہ جو اتنا باریک ہوتا ہے کہ انسانی آنکھ اسکو دیکھ بھی نہیں سکتی اللہ تعالےٰ کی قدرت کاملہ سے اتنا بڑا ہو جاتا ہے کہ ماں کے پیٹ سے نکلنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اور وہی نطفہ جو وزن میں اتنا قلیل تھا کہ دنیا کا کوئی نازک سے نازک میزان بھی اسکو تول نہ سکتا۔ ماشاءاللہ پورے ۳-۴ سیر وزن کا بچّہ بن کر دنیا میں آتا ہے۔ سچ ہے اس خالق ارض و سما کی قدرتوں کا احاطہ عقل نہیں کر سکتی۔

آریوں کا ایک پیچیدہ سوال عاجز نے عرض کیا ہے کہ رُوح جسم کے اندر سے پیدا ہوتی ہے۔ مگر آریوں کا

Digitized by Khilafat Library Rabwah

یہ عقیدہ ہے کہ روح ازلی ابدی ہے اور وہ باہر سے داخل ہوتی ہے۔ بعض چالاک آریہ یہ سوال کیا کرتے ہیں کہ تم کہتے ہو روح ازلی نہیں مخلوق ہے اور باہر سے نہیں جسم کے اندر سے پیدا ہوتی ہے۔ تم بتاؤ کہ روح جو مفرد اور لطیف چیز ہے۔ انسانی جسم کے (جو مرکّب اور کثیف ہے) اندر سے کیسے نکل سکتی ہے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ مرکّب چیز سے مفرد چیز پیدا ہو سکے۔ پس مانو کہ روح باہر سے داخل ہوتی ہے۔ اس کے جواب میں اگر یہ تسلیم کیا جائے کہ روح مفرد چیز ہے تو واقعی آریہ کا کہنا درست ہے۔ اور ہمارے پاس اسکا کوئی جواب نہیں ؛

مرکّب جسم سے مفرد روح کی پیدائش ناممکن ہے

بعض لوگ اس موقع پر بجلی کی مثال دیتے ہیں۔ کہ جس طرح بیٹری (جست اور تانبے) جو ایک مرکّب چیز ہے اور اس کے اندر سے بجلی جو مفرد چیز ہے پیدا ہوتی ہے اسی طرح مرکّب جسم سے مفرد روح نکل سکتی ہے۔ مگر یہ مثال غلط ہے۔ کیونکہ بجلی (برق) بھی مفرد چیز نہیں۔ بلکہ مرکّب چیز ہے اور باریک لطیف الیکٹرونوں کا مجموعہ ہے۔ پس اس مثال سے تو انکے دعویٰ کی اور بھی تائید ہوتی ہے۔ اس سوال کا صحیح جواب یہ ہے ؛

اسلام کا عقیدہ روح مرکّب ہے مفرد نہیں

کہ روح مفرد چیز ہے ہی نہیں۔ بلکہ دیگر مخلوق اشیاء کی طرح یہ بھی مرکّب چیز ہے ہر مخلوق چیز مرکّب ہے۔ اور ہر مرکّب چیز مخلوق ہے۔ مفرد صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ جو مخلوق نہیں خالق ہے۔ مفرد چیز کے یہ معنی ہیں جو قائم بالذّات ہو۔ احتیاج سے بالا ہو۔ اور کسی چیز سے مل کر نہ بنی ہو۔ مگر یہ ظاہر ہے کہ روح قائم بالذّات نہیں۔ بلکہ اپنی بقا کے لئے اللہ تعالیٰ کی صفت قیوم کی محتاج ہے۔ پس روح مفرد وجود نہیں۔ لہٰذا مخلوق ہے۔ مرکّب ہے اور جسم کے اندر سے پیدا ہوتی ہے ؛

روح مادّی چیز ہے

شاید کسی کو یہ خیال گذرے۔ کہ جب روح مرکّب چیز ہے تو پھر یہ مادّی بھی ہوئی۔ کیونکہ مرکّب چیز غیر مادّی نہیں ہو سکتی۔ تو اس کا جواب یہ ہے۔ کہ یہ درست ہے کہ روح مادّی چیز ہے۔ غیر مادّی نہیں۔ مگر دیگر مادّی اشیاء کی طرح کثیف نہیں۔ بلکہ لطیف در لطیف ہے۔ اور روح ان معنوں میں مادّی ہے جن معنوں میں برق۔ مقناطیس۔ حرارت۔ روشنی وغیرہ مادّی اشیاء ہیں۔ پس روح مرکّب چیز ہے اور مادّی وجود ہے مگر دنیا کے لطیف سے لطیف مادّہ (ایتھر) سے بھی زیادہ لطیف ہے۔ صرف امتیاز کے لئے اسکا نام روح رکھا گیا ہے۔ ورنہ یہ بھی مادّے کی ایک لطیف در لطیف صورت ہے ؛

روح کا وزن

جب ہم کہتے ہیں کہ روح مادّے کی ایک لطیف صورت ہے تو اس عام قانون کے مطابق کہ ہر مادّی چیز کا وزن ہوتا ہے۔ ماننا پڑیگا کہ روح کا بھی وزن ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ روح کا وزن ضرور ہے۔ مگر وہ اسقدر کم ہے کہ دنیا کا نازک سے نازک میزان اسکو تول نہیں سکتا۔[ف]

ف حاشیہ۔ روح کا وزن اس قسم کا نہیں ہے۔ کہ کشش زمین (۲۶۷) کا اس پر کوئی اثر ہو۔ منہ

Digitized by Khilafat Library Rabwah

رُوح کا وزن بھی اسی قسم کا ہے جس قسم کا بجلی کا وزن ہے۔ اگر سائنس بجلی کا وزن معلوم کرنے کیلئے کسی میزان کی ایجاد کرنے میں کامیاب ہو گئی۔ تو ممکن ہے رُوح کے تولنے کا بھی کوئی آلہ نکل آئے۔ ڈاکٹر بوس نے اس کے متعلق تجربہ کیا۔ ایک نہایت ہی نازک میزان میں ایک مرتے ہوئے آدمی کو لٹا دیا۔ اور جب اسکی جان نکل گئی تو اس نے دیکھا کہ ترازو کا پلڑا اوپر ہو گیا۔ اس تجربہ میں بہت سے ایسے دیگر امور ہو سکتے ہیں۔ جنکی وجہ سے پلڑا اوپر ہو گیا ہو۔ لہذا یہ طریق رُوح کا وزن معلوم کرنے کا قطعی اور یقینی نہیں۔ مگر اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ رُوح کا وزن ضرور ہے۔ مگر وہ اسقدر قلیل ہے کہ اس دنیا کے مادّی ترازو اس کو تول نہیں سکتے۔ اور نہ ہی کششِ ثقل کا اس پر اثر ہے ؛

رُوح کی تقسیم اگر رُوح مرکّب چیز ہے تو پھر ماننا پڑیگا کہ رُوح تقسیم بھی ہو سکتی ہے۔ اسکے متعلق عرض ہے کہ رُوح تقسیم ہو سکتی ہے۔ اور اس عقیدہ سے تو ارواح کے ازلی ہونیکے عقیدہ پر اور بھی زد پڑتی ہے۔ کیونکہ ازلی چیز اور مفرد قابلِ تقسیم نہیں۔ رُوح چونکہ مخلوق ہے۔ مرکّب ہے۔ اس لئے تقسیم بھی ہو سکتی ہے۔ جیسا کہ کیچوے اور دیگر آبی حشرات (ہائی ڈرا۔ فنجائی) وغیرہ کے وجود سے ظاہر ہے (واضح ہو کہ کیچوے کو اگر درمیان سے کاٹ دیا جائے۔ تو دو کیچوے الگ الگ زندہ وجود بن جاتے ہیں) چھپکلی کی دُم کو اگر کاٹ دیا جائے تو وہ بھی دیر تک پھڑکتی رہتی ہے۔ مگر یہ مثال رُوح کی تقسیم کی غلط ہے۔ کیونکہ چھپکلی کی دُم میں حرکت عارضی ہوتی ہے۔ اور وہ الگ زندہ وجود نہیں بن سکتی۔ (انسانی رُوح کی تقسیم کے متعلق مفصّل بحث اگر ضرورت ہوئی تو بعد میں کی جائیگی)

رُوح کے جسم سے پیدا ہونیکا ثبوت حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السّلام نے رُوح کے جسم کے اندر سے پیدا ہونیکے ثبوت میں بعض مثالیں دی ہیں۔ مثلاً مرغی کے انڈے میں کیڑوں کا پیدا ہو جانا۔ باسی کھانے میں کیڑوں کا پڑنا۔ گولر کے پھل میں سے کیڑوں کا پرواز وغیرہ

یہ مثالیں ہمارے دعویٰ کی تائید میں نہایت قوی دلائل ہیں۔ مگر بعض لوگ جو علم الجراثیم اور علم حشرات الارض کی تفصیلات سے واقف نہیں۔ آریہ لوگوں کے ساتھ بحث کرتے وقت انکو پوری شان و شوکت سے پیش نہیں کر سکتے۔ اور بعض دفعہ ہوشیار آریوں کی جرح کا جواب تسلّی بخش اور حقیقی نہیں دے سکتے ؛

آریہ لوگ ان مثالوں پر اس طرح جرح کرتے ہیں۔ کہ علم الجراثیم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ گندے انڈے میں کیڑے وغیرہ اندر سے پیدا نہیں ہوتے۔ بلکہ دراصل ان کیڑوں کے باریک انڈے ہوا میں اڑ رہے ہوتے ہیں جب انکو نشوونما کیلئے موزوں جگہ (خوراک۔ پانی۔ حرارت) مل جاتی ہے تو اسمیں داخل ہو کر بڑھنا شروع کر دیتے ہیں۔ پس گولر کے پھل۔ انڈہ۔ باسی کھانا وغیرہ سب میں کیڑے باہر سے داخل ہوتے ہیں۔ چنانچہ کھانے کی چیز کو اگر ٹین میں بند کر دیا جائے۔

Digitized by Khilafat Library Rabwah

اور ہوا میں سے انڈوں کو اندر جانے کا موقع نہ ملے تو اس چیز میں کیڑے نہیں پڑتے۔ شاید کوئی سوال کرے۔ کہ کھانا تو ننگا پڑا ہوتا ہے۔ اسلئے اس میں ہوا کے ذریعے کیڑے پڑنے کا امکان ہے مگر انڈہ جو چاروں طرف سے چھلکے کے اندر بند ہوتا ہے۔ اور گولر کا پھل جو بند ہوتا ہے اس میں باہر سے کیڑے کیسے داخل ہو سکتے ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان دونوں صورتوں میں بھی کیڑوں کے باہر سے داخل ہونے کا امکان ہے۔ کیونکہ انڈہ جب مرغی کے پیٹ میں ہوتا ہے تو اسوقت سفیدی کے گرد غلاف (چھلکا) نہیں ہوتا۔ کیونکہ یہ بعد میں بنتا ہے پس انڈے کی سفیدی میں جراثیم اور کیڑوں کے انڈے وغیرہ داخل ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ اسکے متعلق تجربہ کیا گیا ہے کہ مرغی کو کوئی رنگدار غذا کھانے کو دی گئی۔ اور وہی رنگ انڈے کی سفیدی میں موجود تھا۔ پس ثابت ہوا کہ کیڑے باہر سے داخل ہو سکتے ہیں۔ اسی طرح گولر کے پھل میں جب وہ پھول یا کلی کی صورت میں تھا تو کیڑوں کے انڈے اسکے اندر داخل ہو گئے جو بعد میں بند پھل کے اندر نشوونما پاکر پرواز کر جاتے ہیں۔

اسکا جواب یہ ہے کہ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ جسم کے اندر سے روح پیدا ہوتی ہے۔ تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ باہر سے کچھ بھی نہیں داخل ہوتا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ انڈے باہر سے ہی داخل ہوتے ہیں۔ اور بعد میں وہ انڈہ نشوونما پاکر مکمل کیڑا بن جاتا ہے مگر اسکی جسم کے اندر سے روح پیدا ہوتی ہے اسی طرح جب ہم کہتے ہیں کہ روح انسانی جسم انسانی کے اندر سے نکلتی ہے تو ہم ساتھ ہی یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ نطفہ باہر (مرد) سے داخل ہوتا ہے مگر جیسا کہ میں اوپر بتا آیا ہوں نطفہ میں روح انسانی نہیں ہوتی۔ اور نہ ہی کیڑوں وغیرہ کے انڈوں میں اس مخصوص کیڑہ کی روح ہوتی ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ باہر سے ایک ذرۂ حیات (   ) داخل ہوتا ہے جس میں نشوونما کی طاقت ہوتی ہے۔ وہ ذرہ رحم مادر (یا باسی کھانا۔ انڈے کی سفیدی۔ گولر کا پھل) سے غذا حاصل کرکے بعض کیفیات میں سے گذرتا ہے جس کے نتیجہ میں اندر سے اسکی روح پیدا ہوتی ہے۔

جسم میں روح کہاں ہے

روح کی پیدائش اور اس کے خواص معلوم ہو جانے کے بعد یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جسم میں روح کہاں ہے۔ اس سوال کو فلسفی حل نہیں کر سکے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض روح کے وجود کے ہی قائل نہیں۔ اور جو روح کے وجود کے قائل ہیں۔ ان میں بھی روح کے مقام کے متعلق مختلف خیالات پائے جاتے ہیں۔ بعض دماغ کو اس کا مقام بتاتے ہیں۔ بعض نفس کو اسکا جلوہ گاہ تسلیم کرتے ہیں۔ بعض قلب کے ساتھ روح کا خاص تعلق پیوستہ بتاتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ دوران خون ہی روح ہے۔

ان میں سے تیسرے گروہ کا خیال درست ہے۔ اسلام کا بھی یہی عقیدہ ہے۔ اور صاحب تجربہ لوگوں کا بھی یہی مشاہدہ ہے۔ کہ روح کا تعلق قلب کے ساتھ ہے۔

۱۔ دماغ ۱۔ دماغ کے ساتھ روح کا تعلق نہیں جس کا ثبوت یہ ہے کہ رحم مادر میں جب جنین کا دماغ ابھی

Digitized by Khilafat Library Rabwah

مکمل بھی نہیں ہُوا ہوتا۔ تو رُوح قلب کو چلا رہی ہوتی ہے۔ گو قلب کے اعصاب بن چکے ہوتے ہیں مگر ان کی تکمیل ابھی نہیں ہوئی ہوتی۔ پس یہ حقیقت ہے کہ رحم مادر میں بچّہ کا قلب دماغ کے توسّط کے بغیر حرکت کرتا ہے۔ پھر ہم دیکھتے ہیں کہ بکرے وغیرہ کا قلب اگر جسم سے جُدا کر دیا جائے۔ اور دماغ کے ساتھ اسکا کوئی تعلّق نہ رہے تو بھی نمکین پچکاری وغیرہ کے ذریعے قلب گھنٹوں حرکت کرتا رہتا ہے۔

۲۔ تنفّس } ۲۔ تنفّس کے ساتھ رُوح کا تعلّق نہیں۔ کیونکہ رحم مادر میں بچّہ کے پھیپھڑے بالکل کام نہیں کرتے۔ یعنی گو بچّہ سانس نہیں لیتا۔ پھر بھی رُوح جسم میں موجود ہوتی ہے۔ پھر ہم دیکھتے ہیں کہ ڈوبے ہوئے آدمیوں کو جن کا نصف گھنٹہ تک سانس بالکل نہ تھا مصنوعی تنفّس سے بچایا گیا ہے۔ مگر اس میں شرط یہ ہے کہ قلب کی حرکت بند نہ ہوئی ہو۔ اسی طرح نوزائیدہ بچّہ بعض دفعہ سکتہ کی حالت میں پیدا ہوتا ہے۔ اور سانس نہیں لیتا۔ اگر اس کا قلب حرکت کر رہا ہو تو مصنوعی تنفّس سے پھر زندہ کیا جا سکتا ہے۔

۳۔ دَورانِ خون } ۳۔ دَورانِ خون کا نام بھی رُوح نہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جسم سے خون زیادہ نکل جائے تو انسان قریب المرگ ہو جاتا ہے۔ اور وریدی پچکاری کے ذریعے اگر کسی دوسرے انسان کا خون اس کے جسم میں داخل کر دیا جائے تو مریض بچ جاتا ہے مگر اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ دوسرے شخص کی رُوح (خون) کو ہم نے مریض کے جسم میں داخل کر کے اسکو بچایا ہے۔ خون میں یہ کوئی خصوصیّت نہیں۔ کیونکہ یہ عمل معمولی نمکین پانی سے ہو سکتا ہے۔ یعنی نمکین پانی جسم میں داخل کر کے بھی مریض کی جان بچائی جا سکتی ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ مریض اس لئے قریب المرگ نہیں ہو جاتا کہ اسکے جسم میں خون نہیں رہا۔ کیونکہ محض خون کی کمی ہلاکت کا موجب نہیں (پرانی خونی بواسیر کے مریضوں کے جسم سے آہستہ آہستہ اتنا خون نکل جاتا ہے کہ کُل مقدار خون کا (½) نصف بھی نہیں رہتا) بلکہ خون کے اچانک جسم میں سے نکل جانے کی وجہ سے قلب کو صدمہ ہوتا ہے۔ کیونکہ قلب حرکت کرنے کے لئے پوری طرح خون سے بھر نہیں سکتا (واضح ہو کہ حرکتِ قلب کے جاری رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ قلب خون سے پوری طرح بھر جائے۔ پھر وہ اس پر زور دے کر اسکو آگے چلا سکتا ہے) لہٰذا وہ ٹھیر جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نمکین پانی داخل کرنے سے بھی قلب کو پھر طاقت مل جاتی ہے۔

پھر ہم دَورانِ خون کو رُوح تصوّر کرنے والوں سے یہ پوچھتے ہیں کہ اگر دَورانِ خون ہی رُوح ہے تو کیا وجہ ہے کہ بعض دفعہ یہ دَورانِ خون ہلاکت کا موجب ہو جاتا ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ نمونیا کے مریض کے قلب کا دائیاں بطن بعض دفعہ وریدی خون سے تن جاتا ہے۔ اور وہ اتنا پھول جاتا ہے کہ قلب خون کو آگے پھینک نہیں سکتا۔ جس سے ہارٹ فیل ہو کر موت ہو جاتی ہے۔ ایسی صورت

Digitized by Khilafat Library Rabwah

میں مریض کے بچاؤ کی صرف یہی صورت ہوتی ہے کہ فوراً فصد کر کے وریدی خون کو بہا دیا جائے۔ اگر خون کا نام رُوح ہوتا تو وہ کبھی ہلاکت کا موجب نہ ہوتا۔

۴۔ **قلب کے** ۴۔ پس یہ حقیقت ہے کہ رُوح کا تعلق قلب کے ساتھ ہے۔ جب تک قلب مکمّل نہیں ہوتا۔ رُوح کا بھی جسم سے الگ وجود نہیں ہوتا۔ لیکن ۴ ماہ کے بعد جب قلب مکمّل ہوجاتا ہے روح کا بھی اسوقت الگ وجود ہوتا ہے۔ اور اس کا تعلق قلب کے ساتھ ہوجاتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ قلب حرکت کرنے لگ جاتا ہے۔ اور اسکا نام بچّہ کا زندہ ہونا ہے۔ جب رُوح جسم میں سے نکل جائے۔ اور قلب اور رُوح کا تعلق منقطع ہوجائے۔ تو قلب مکمّل طور پر ٹھہیر جاتا ہے۔ جس کا نام موت ہے۔

بعض لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ رُوح کا قلب کے ساتھ کبھی تعلق نہیں۔ جسکا ثبوت یہ ہے۔ کہ بعض ایسے واقعات ہوئے ہیں جن میں قلب کی حرکت بند ہوگئی تھی۔ لیکن بعد میں انسان پھر زندہ ہوگیا۔ اور دل چلنے لگ پڑا۔ اگر رُوح کے نکل جانے کی یہ علامت ہو کہ قلب ٹھہر جاتا ہے تو ان حالات میں رُوح دوبارہ کہاں سے آکر داخل ہوگئی۔

کرنل ٹون سنڈ ایک شخص گذرے ہیں۔ جن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے قلب کو بالارادہ نصف گھنٹہ تک ٹھہرا سکتے تھے۔ اسی طرح ولایت کے سینٹ پارتھولومیو ہسپتال میں ایک بچّے کو ایک دفعہ کلوروفارم سونگھا کر اسکے لوز تین کا اپریشن کر رہے تھے۔ کہ یک لخت اسکے قلب کی حرکت بند ہوگئی۔ جب دیگر تدابیر ناکام ہوچکیں تو لامچ اور جری سرجن نے بچّے کے سینہ کو چاک کر کے قلب کو باہر نکال کر اسکو مالش کرنی شروع کردی۔ چنانچہ پورے تیرہ ۱۳ منٹ کے بعد قلب پھر حرکت کرنے لگ گیا۔ غرضیکہ اس قسم کے واقعات سے یہ لوگ نتیجہ نکال لیتے ہیں کہ رُوح کا قلب سے تعلق نہیں۔ مگر ان واقعات کے متعلق میرا اپنا ذاتی خیال یہ ہے کہ قلب مکمّل طور پر نہیں ٹھہرتا۔ اگر قلب کی حرکت مکمّل طور پر بند ہوجائے تو پھر موت یقینی ہوتی ہے۔ گو بظاہر قلب کی حرکت بند معلوم ہو۔ مثلاً نبض نہ پھڑکے۔ آلہ مصباح الصدر سے قلب کی آواز نہ آئے۔ یا قلب کے بیرونی غلافوں میں آنکھ کو بھی حرکت نظر نہ آئے مگر ہوسکتا ہے کہ قلب مکمّل طور پر ٹھیرا نہ ہو۔ اور اُسکے اندرونی عضلات میں خفیف حرکت ہو رہی ہو۔ جس کی وجہ سے رُوح کا کمزور سا تعلق قلب سے باقی ہو۔

موت کی تعریف اور اسکی اقسام جسم سے رُوح کے پرواز کرجانے کا نام موت ہے۔ جس کا لازمی نتیجہ قلب کی حرکت کا مکمّل طور پر بند ہوجانا ہے۔ ایک دفعہ رُوح جسم سے جدا ہوجائے تو پھر اُس جسم میں رُوح داخل نہیں ہوسکتی۔ گویا دوسرے لفظوں میں ایک دفعہ اگر قلب کی حرکت مکمّل طور پر بند ہوجائے تو پھر قلب حرکت نہیں کر سکتا۔ موت کے کئی اسباب ہیں۔ جنمیں سے موٹے موٹے یہ ہیں:۔

Digitized by Khilafat Library Rabwah

(۱) ہارٹ فیلیر۔ یعنی کسی صدمہ کے باعث قلب کا یک لخت ٹھیر جانا۔ (۲) دم گھٹ جانا۔ فعل تنفّس کے رُک جانے کی وجہ سے موت کا واقع ہونا۔ (۳) کوما۔ یعنی دماغ کے فعل میں فتور آکر موت کا طاری ہونا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ موت کئی طرح ہو سکتی ہے۔ مگر ان سب حالتوں میں آخری نتیجہ قلب کی حرکت کا بند ہونا ہے جس کا نتیجہ موت ہوتا ہے۔ یہ تو بعض لوگوں نے دیکھا ہوگا کہ دماغی چوٹ کے بعد جب مریض بالکل بے حس و حرکت پڑا ہوتا ہے۔ اور سانس بھی رُک چکا ہوتا ہے۔ تو اسوقت قلب کی حرکت ہی مریض کو زندہ رکھ رہی ہوتی ہے۔

موت جسم میں سے رُوح کے نکل جانے کا ہی نام ہے۔ ورنہ اگر دورانِ خون۔ قلب۔ تنفّس دماغ وغیرہ کا نام رُوح ہے تو کیا وجہ ہے کہ مُردہ آدمی کا قلب حرکت نہیں کرتا۔ سانس نہیں آتا۔ مُردہ کیوں دیکھ نہیں سکتا۔ اسکی آنکھ۔ کان نورانی پردے۔ عصبِ بصارت۔ دماغ سب موجود ہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ اسکی تمام ظاہری طاقتیں مفقود ہو جاتی ہیں۔ اس کے جسم میں سے کونسی چیز کم ہو گئی ہے کہ سارا کارخانہ یکدم تہ و بالا ہو گیا ہے۔ پس وہ رُوح ہی ہے جس کی کمی کی وجہ سے یہ جیتی جاگتی صورت پتھر بنجاتی ہے۔ موت دو قسم کی ہوتی ہے۔ ایک موت جسمانی اور دوسری ذرات کی موت۔

موت کے بعد جسمی ذرات میں زندگی
جسمانی موت کے بعد بھی جسم کے ذرات میں تھوڑی دیر تک زندگی رہتی ہے چنانچہ موت کے بعد جگر ۲۴ گھنٹے تک کام کرتا رہتا ہے۔ مگر یہ زندگی عارضی ہوتی ہے۔ اور اس کی وجہ رُوح کا پَرتو اور اسکا اثر ہوتا ہے۔ جو کچھ دیر اس کی جُدائی کے بعد بھی جسم پر رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جانور کو حلال کرنے کے بعد دیر تک اسکے عضلات میں حرکت رہتی ہے۔ اور چھپکلی کی دُم جسم سے جُدا کر دینے کے بعد بھی حرکت کرتی رہتی ہے۔ اسکی مثال اس طرح پر ہے کہ کسی لوہے کو آگ سے گرم کیا جائے۔ اور بعد میں آگ کو ہٹا لیا جائے۔ تو بھی تھوڑی دیر تک لوہا گرم رہیگا۔ یہی وجہ ہے کہ اچانک موت کی حالت میں (گلا کٹ جانا۔ پھانسی وغیرہ) جسم زیادہ دیر تک پھڑکتا رہتا ہے۔ بہ نسبت ان حالتوں کے جن میں مریض لمبی بیماری میں لٹک کر مرے (تپ دق۔ اسہال)

دہریوں کا ایک مغالطہ دہ سوال
بعض دہریہ یہ سوال کیا کرتے ہیں۔ کہ رُوح جسم کی صفت ہے۔ یا الگ ذات ہے اگر کہو کہ رُوح جسم کی صفت ہے۔ تو پھر وہ کہتے ہیں کہ صفت چونکہ موصوف سے جُدا نہیں ہو سکتی اسلئے مرنے کے بعد جب جسم (موصوف) فنا ہو جاتا ہے تو ضروری ہے کہ ساتھ رُوح (صفت) بھی فنا ہو جائے۔ کاغذ مثلاً سفید ہے۔ سفیدی کاغذ کی صفت ہے۔ مگر یہ سفیدی کاغذ سے جُدا نہیں ہو سکتی۔ کاغذ کو جلا دو۔ سفیدی بھی ساتھ ہی فنا ہو جائیگی۔

Digitized by Khilafat Library Rabwah

دراصل یہ دھوکہ ان کو جسم اور رُوح کا تعلق نہ سمجھنے کی وجہ سے لگا ہے۔

رُوح جسم کی صفت ہے مگر الگ وجود بھی ہے۔ اسمیں کوئی شک نہیں کہ رُوح جسم کی صفت ہے مگر وہ محض صفت ہی نہیں بلکہ اسکا الگ اور مستقل وجود بھی ہے۔ پس موت کے بعد یہ ضروری نہیں ہے کہ جسم کے ساتھ رُوح بھی افتراق اور تحلیل کے ابدی قانون کو پورا کرے۔ کاغذ اور سفیدی کی مثال دینا قیاس مع الفارق ہے کیونکہ سفیدی کا الگ وجود نہیں ہوتا۔ اس کے لئے بیٹری اور بجلی کی مثال زیادہ درست ہے۔ بجلی بیٹری سے پیدا ہوتی ہے۔ اور اسکی صفت بھی ہے۔ لیکن بجلی جب مکمّل طور پر پیدا ہو جائے۔ تو پھر بیٹری کو اگر توڑ دیا جائے۔ یا جلا دیا جائے بجلی ضائع نہیں ہوتی وہ فوراً فضا میں (جو اسکا اصل منبع ہے) منتشر ہو جاتی ہے۔ اسی طرح رُوح جسم کے اندر سے نکلتی ہے۔ لیکن جب وہ اپنی الگ اور ممتاز ہستی قائم کر لے۔ تو پھر خواہ جسم کو مار دو۔ دفن کر دو۔ جلا دو۔ رُوح فوراً الگ ہو کر اپنے حقیقی مولا کے پاس (جو اس کا اصل منبع ہے) چلی جاتی ہے۔

رُوح انسانی کی ہستی کا عقلی ثبوت

عاجز نے پہلے طب کی روشنی میں بتایا ہے کہ رُوح کا جسم میں ہونا روزمرّہ کے تجربہ اور مشاہدہ سے ثابت ہے۔ مگر مزید تسلّی کے لئے بعض عقلی دلائل بھی لکھ دیئے جاتے ہیں۔

مسئلۂ ارتقاء حیوانی مشاہدہ ہمیں بتاتا ہے۔ کہ ہر چیز میں ارتقاء ہوئی ہے۔ مسئلۂ ارتقاء حیوانی درست ہے۔ مگر اس کے ماہرین نے بعض نتائج کے استنباط میں غلطی کی ہے۔ دُنیا میں ارتقاء ضرور ہوئی ہے۔ مگر ہر جنس کا ارتقاء الگ الگ تھا۔ ہر ایک جنس نے اپنے اپنے دائرہ کے اندر ترقی کی ہے۔ اور ایک جنس سے دوسری جنس پیدا نہیں ہوئی۔ ارتقائی ترقی مسلسل رہی ہے۔ یہ سلسلہ ٹوٹ کر نئے سرے سے شروع نہیں ہُوا۔ بلکہ زمانہ ابتدا سے ہی ارتقاء کی طرف قدم اُٹھا رہا تھا۔ زمین جب سورج سے الگ ہوئی۔ تو اسوقت سطح بالکل ہموار تھی۔ اس میں نشیب و فراز نہ تھے۔ نہ پہاڑ تھے نہ دریا نہ ندی

پیدائش عالم تھی نہ نالے۔ پانی کا نام و نشان نہ تھا۔ ساری زمین جلتے ہوئے مادہ سے شعلہ زن تھی۔ اردگرد بخارات کے سخت بادل تھے۔ سورج کے تأثر سے آزاد تھی۔ آہستہ آہستہ سطح زمین کی حرارت فضا میں منتشر ہونی شروع ہوئی۔ جس سے سطح زمین ٹھنڈی ہو کر پھٹنی شروع ہو گئی۔ شدید زلزلے آئے اور اس طرح مختلف نشیب و فراز (پہاڑ۔ دریا وغیرہ) پیدا ہو گئے۔ پھر بارشیں شروع ہوئیں[1] اور سمندر کی تہ

---

[1] حاشیہ۔ واضح ہو کہ بارش کے ساتھ بجلیاں بھی چمکتی ہیں۔ جنہوں نے فضا کو صاف کرنے میں مدد دی۔ منہ

Digitized by Khilafat Library Rabwah

میں آبی بوٹیوں کی شکل میں نباتاتی زندگی کا دور شروع ہوا (واضح ہو کہ اس سے قبل زمین پر بوجہ سخت آگ کے زندگی کا نام و نشان نہ تھا۔ ممکن ہے بعض ایسے جراثیم اس میں ہوں جو سخت آگ میں بھی زندہ رہ سکتے ہوں مگر نباتاتی اور حیوانی زندگی بالکل نہ تھی) جوں جوں سطح زمین اس قابل ہوتی گئی کہ نباتات اس پر زندہ رہ سکیں توں توں اس پر پھلوں پھولوں والے درخت پیدا ہونے شروع ہو گئے۔ پھر جراثیم حشرات الارض رینگنے والے جانور۔ سانپ۔ بچھو وغیرہ پیدا ہوئے۔ انہوں نے زمین کو پاک و صاف کیا۔ ہوا اور پانی میں سے زہریلے مواد نکال کر اسکو اس قابل بنایا کہ حیوان زندہ رہ سکیں۔ جب زمین صاف ہو گئی تو پھر پرندوں اور چوپائیوں کا دور شروع ہوا۔ انہوں نے بھی حتی المقدور اس خدمت میں حصہ لیا اور ہوا۔ پانی اور سطح زمین کو خوب صاف اور گندگی سے پاک کیا۔ اور اس کو اس قابل بنایا کہ حضرت انسان اشرف المخلوقات کی رہائش کے قابل ہو سکے۔ پس جب سارا نظام ٹھیک ٹھاک ہو گیا۔ اور صفائی وغیرہ مکمل ہو گئی تو پھر حضرت انسان تشریف لائے۔ اور یہ سارا عمل لاکھوں کروڑوں ارب سالوں میں جا کر مکمل ہوا۔ سچ ہے پہلے خدام حاضر ہوتے ہیں پھر بادشاہ تشریف لایا کرتے ہیں۔ اور یہ مختلف حشرات الارض سانپ بچھو وغیرہ جو اب نظر آتے ہیں۔ یہ ان مختلف دوروں کی یادگار ہیں۔ جن سے زمین گذری ہے اور یہ انسانی پیدائش کی پہلی کڑیاں ہیں۔ اور یہ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ زمین پر مختلف تغیرات آئے ہیں۔

مسئلہ ارتقاء حیوانی اللہ تعالیٰ کی ہستی اور روح کے وجود کا ثبوت ہے

غرضیکہ اس طرح زمین پر جسمانی ارتقاء کا سلسلہ جاری رہا۔ اور جب مکمل وجود (انسان) پیدا ہو گیا تو پھر یہ جسمانی ارتقاء بند ہو گیا آج سے لاکھ سال قبل کے انسانی ہڈیوں کے پنجر (سکیلیٹن) کو دیکھو۔ اسکی وہی بناوٹ ہو گی (سوائے معمولی جبڑے کی ہڈی کے تغیر کے) ورنہ ڈھانچہ وہی ہے۔ گویا جب سے انسان کا وجود دنیا میں مکمل ہوا ہے اس دن سے اسکے جسم میں کوئی تغیر نہیں ہوا۔ حالانکہ اسپر لاکھوں سال کا عرصہ گذرنے کو ہے۔ جسمانی ارتقاء کا انسان کے وجود کی تکمیل کے بعد بند ہو جانا اس بات کا ثبوت ہے کہ اندھی نیچر یہ کام بلا غرض اور بلا ارادہ نہیں کر رہی تھی بلکہ کوئی علیم و حکیم ہستی کسی خاص غرض اور مقصد کے لئے بالارادہ اس ارتقاء کو قائم رکھ رہی تھی۔ اور اس کی غرض یہی تھی کہ اشرف المخلوقات حضرت انسان کو پیدا کیا جائے جو اسکی (خالق) صفات کا مظہر ہو اور عبودیت کا پورا حق ادا کرنے والا ہو۔ پس دعویٰ جسمانی ارتقاء کا بند ہو جانا بتاتا ہے کہ اللہ تعالےٰ کے نزدیک، اس ارتقاء حیوانی کے سلسلہ کو جاری رکھنے سے یہ غرض تھی کہ ایک ایسے وجود کو دنیا

Digitized by Khilafat Library Rabwah

میں لایا جائے۔ جس کے جسم میں سے ایک ایسا جوہر تیار ہو جو اسکی پیدائش کی غرض کو پورا کرنے والا ہو۔ یعنی رُوح انسانی۔ ہم مسئلۂ ارتقاء کے حامیوں سے یہ پوچھتے ہیں کہ اگر اندھی نیچر بلا غرض اس ارتقاء کو چلا رہی تھی تو کیا وجہ ہے کہ وہ ارتقاء اب بند ہے۔ اگر کہو کہ ابھی اس پر لمبا زمانہ نہیں گذرا تو یہ عذر معقول نہیں۔ کیونکہ اگر دُنیا ایک کروڑ سال سے ہے تو اگر ایک لاکھ سال سے انسان کا وجود (آدم اوّل) شروع ہُوا تھا۔ تو اسکے بعد اب ایک لاکھ سال کے اوپر کئی دن گذر گئے ہیں۔ مگر کیا وجہ ہے کہ وہ جسمانی تبدیلی ارتقاء کے قانون کے ماتحت نہیں ہوئی۔ پس یہ اس بات کا قطعی ثبوت ہے کہ کوئی بالا رادہ ہستی (اللہ تعالیٰ) اس کام کو کسی خاص غرض کے لئے چلا رہی تھی۔ اور جب وہ غرض پوری ہو گئی (یعنی رُوح انسانی پیدا ہو گئی) تو جسمانی ارتقاء کا سلسلہ بھی بند ہو گیا۔ اور اس کی بجائے ذہنی ارتقاء شروع ہو گئی جو روحانی ترقیات کے لئے لازمی تھی۔ پس قیامت تک جسمانی ارتقاء بند رہیگا۔ اور ذہنی اور روحانی ارتقاء جاری رہیگا۔

انسان جب سے پیدا ہُوا ہے۔ اپنی ذات میں انسان ہی تھا۔ خواہ اسکی ظاہری شکل کتنے یا بندر سے ملتی تھی۔ مگر خمیر اسکا ابتدا سے انسان کا ہی تھا۔ اور بندروں کی نسل سے نکل کر انسان نہیں بنا۔ بلکہ ان کی اپنی جنس میں ارتقاء ہوئی ہے۔

رُوح انسانی کے دو مخصوص خواص انسان کے اندر ایک جوہر (رُوح انسانی) ہے۔ جس میں بعض مخصوص خواص ہیں۔ جو اسکو دیگر حیوانوں سے ممتاز کرتے ہیں۔ ورنہ محض دو پاؤں پر چلنا۔ ہاتھوں سے کھانا۔ اور دُم نہ ہونا انسان کی علامت نہیں۔ کیونکہ کئی بندر بھی ایسے ہیں جو دو پاؤں پر چلتے ہیں۔ ہاتھوں سے کھاتے ہیں۔ اور ان کی دُم بھی نہیں۔

روحِ انسانی کے دو مخصوص خواص عقل اور اخلاق ہیں۔ اور یہ حیوانی رُوح میں پائے نہیں جاتے۔ نیکی کی طرف میلان۔ نیکی سے محبّت اور بدی سے نفرت۔ یہ سب فطرت میں لکھے گئے ہیں۔ بےخود بخود نہیں۔ بلکہ رُوح کے وجود کا ثبوت ہیں۔ نیکی سے محبّت اور بدی سے نفرت ورثہ میں ملا ہُوا اثر نہیں ہے۔ بلکہ اسے خدا نے فطرت میں ودیعت کر رکھا ہے۔ اسکا ثبوت یہ ہے کہ اخلاق کی بنیاد بہت گہری ہے اور انکا منبع انسان کی پیدائش سے بہت قبل کا ہے۔ چنانچہ اخلاق کا وجود مادّہ کے ذرات اخلاق کی بنیاد کے (ایٹم) یعنی جمادات میں بھی ہے۔ نباتات اور حیوانات میں بھی اس طاقت کا ظہور ہوتا ہے۔ گو ان میں اخلاق کا بہت ادنیٰ ظہور ہوتا ہے اور مکمّل طور پر اخلاق کا ظہور انسان میں ہوتا

Digitized by Khilafat Library Rabwah

ہے۔ مگر اس میں کوئی شک نہیں کہ اخلاق کی بنیاد انسانی پیدائش سے بہت قبل رکھی گئی تھی۔ جمادات میں اخلاق کا ظہور طاقت (پاور) کہلاتا ہے۔ نباتات میں اس کا نام حس (سینسیشن) ہے۔ حیوانات میں اسکو فطرت حیوانی (انسٹنکٹ) بولتے ہیں۔ اور انسان میں ان ابتدائی طاقتوں کا استعمال جب عقل اور شریعت کی روشنی میں حسب موقع اور محل کیا جائے تو اسکا نام اخلاق رکھا جاتا ہے۔

پس اس لحاظ سے ہر چیز میں ایک رُوح ہے۔ جو اس کے جسم کے ذرات سے کام لیتی ہے۔ مگر انکی رُوح انسانی رُوح کے مقابلہ میں کثیف ہے۔ گویا جتنی ادنیٰ پیدائش ہو گی اتنی ہی کثیف اسکی رُوح ہو گی۔ اسکا مطلب یہ ہے کہ اس چیز کے جسمی ذرات سے لطیف ایک جوہر اسکے اندر ہے جو اسکو چلاتا ہے۔ انسان چونکہ جسمی ذرات میں سب سے زیادہ لطیف ہے اس لئے اس کی رُوح بھی زیادہ لطیف ہے۔ گو انسانی رُوح بھی مرکب چیز ہے مگر وہ لطیف در لطیف مادہ سے بنی ہے۔ علم النفس کے ماہرین

دہریوں کو ٹھوکر لگنے کی وجہ

کو اسی وجہ سے ٹھوکر لگی۔ کہ انہوں نے رُوح کو مادی قوانین سے معلوم کرنا چاہا۔ اور جب اس طرح اسکا ثبوت نہ مل سکا تو اکثروں نے رُوح کی ہستی کا ہی انکار کر دیا۔ حالانکہ یہ طریق غلط تھا۔ کیونکہ اُن قوانین سے جو کثیف مادوں کے متعلق ہیں لطیف مادہ کو پرکھا نہیں جا سکتا۔ دنیا میں ہم دیکھتے ہیں۔ کہ قانون طبعی الگ الگ ہیں۔ ٹھوس کا قانون الگ مایہ اور گیس کا الگ ہے۔ پھر بجلی اور مقناطیس وغیرہ کے اثرات معلوم کرنے کے قانون الگ ہیں۔ اب اگر کوئی شخص اُن قوانین سے جو ٹھوس اشیاء کے لئے ہیں۔ بجلی کو پرکھنا شروع کر دے۔ تو وہ یقیناً ٹھوکر کھائیگا۔ اور ہو سکتا ہے کہ وہ بجلی کے وجود کا ہی انکار کر دے۔ یہی حال فلسفیوں کا ہوا ہے۔ انہوں نے ایک لطیف ہستی کو (جو بجلی سے بھی زیادہ لطیف تھی) عام کثیف اشیاء کے قانون سے پرکھنا چاہا۔ جس میں وہ ناکام ہوئے۔ ان کو چاہیئے تھا کہ جس طرح وہ علم طبیعات میں مختلف مادوں کو (ٹھوس۔ مایہ۔ گیس۔ بجلی وغیرہ) الگ الگ قوانین سے پرکھتے ہیں اسی طرح رُوح کو بھی اسکی لطافت۔ بناوٹ۔ اور خواص کے مطابق پرکھتے۔ اور اس کے لئے مناسب آلات اور کمرۂ امتحان تلاش کرتے۔ کاش کہ وہ رُوح کو مادی قوانین کی بجائے روحانی قوانین سے ناپتے۔ اور خوردبینوں اور لاسلکی وغیرہ آلات کی بجائے وہ کسی صالح بزرگ کی عطا کی ہوئی رُوحانی دُوربین سے رُوح کے خواص معلوم کرتے۔ اور لنڈن کی لیباریٹریوں اور علمی درسگاہوں اور امریکہ کی راک فیلر انسٹی ٹیوٹ کی بجائے وہ عرب کے ریگستان یا پنجاب کے کسی گاؤں میں جو خدا کے جلال کا تخت گاہ ہوتا کسی روحانی پیشوا کے سامنے زانوئے ادب خم کر کے اس کی ہدایت کے ماتحت ریاضتیں اور مجاہدات کرتے۔ تو یقیناً ان ٹھوکروں سے بچ جاتے۔ علم الجراثیم کی تحقیقاتیں

Digitized by Khilafat Library Rabwah

کرنے کے لئے تو وہ مہینوں اور سالوں صبر کے ساتھ اپنی پلچروں کے نتائج کے منتظر رہتے ہیں۔ مگر افسوس کہ رُوح کے خواص معلوم کرنے کے لئے انہوں نے چالیس دن کے لئے بھی اس زمانہ کے روحانی معلّم اور پیشوا حضرت احمد نبی اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس رہنا گوارا نہ کیا۔ کیا اسی کا نام علوم کے حصول کی تڑپ ہے۔ کیا محقّق قوم کا یہی شیوہ ہوتا ہے۔ جتنا کوئی ذرہ حیات (ایٹم) ترقی یافتہ ہو اتنا ہی وہ پیچیدہ مرکب (کامپلیکس) ہوتا ہے۔ اور اتنی ہی اسکی احتیاج بڑھ جاتی ہے مگر ساتھ ہی یہ خیال بھی ترقی کر جاتا ہے کہ میں احتیاج سے بالا ہوں۔ قائم بالذّات ہوں۔ میرا خالق کوئی نہیں۔ آپ سے ہی ہوں۔ مگر جتنا ادنیٰ کوئی ذرہ حیات ہو اتنا ہی وہ کثیف ہوتا ہے۔ اور احتیاج نسبتاً کم ہوتی ہے۔ چنانچہ ہر جاندار حیوان

ہر جاندار اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتا ہے

چرند۔ پرند۔ بلکہ سورج۔ چاند۔ زمین۔ نباتات۔ درخت پتھر سب خدا کی حمد کرتے ہیں۔ اور ان کی تسبیح کرنے کا مطلب یہی ہے کہ ان میں بھی ایک رُوح ہے۔ اور وہ اپنے فرائض کو پورا کر رہے ہیں۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ٹھوس۔ مایہ۔ گیس۔ نباتات۔ حیوانات۔ سورج۔ چاند۔ ستارے۔ بجلی۔ حرارت۔ روشنی وغیرہ ان سب میں جو جو خواص اللہ تعالےٰ نے رکھے ہیں۔ اور جو جو کام ان کے سپرد کئے ہیں۔ ان میں ذرا بھی کوتاہی نہیں کرتے۔ مگر اسکے برخلاف انسان جتنا زیادہ ترقی کر رہا ہے اتنا ہی خدا کا خیال کم ہو رہا ہے۔ اور قائم بالذّات ہونے کا دعویٰ کر رہا ہے۔ حالانکہ اس کی احتیاج سب مخلوق سے بڑھی ہوئی ہے۔ ہر قسم کے ذرات کو اسے کھانا پڑتا ہے۔ کیونکہ اسکے جسم میں سب کا حصّہ ہے۔ دھاتیں۔ پودے۔ حیوان سب اسکی غذا لازمی جزو ہیں۔

موت کے بعد رُوح انسانی کی نشوونما

موت کے معنی رُوح کا جسم سے جُدا ہونا ہے۔ گویا رُوح ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف منتقل ہو جاتی ہے۔ جس کا لازمی نتیجہ قلب کی حرکت کا بند ہونا اور جسم میں افتراق اور تحلیل کا شروع ہو جانا ہے۔ مگر موت کے بعد رُوح کی ترقی میں کوئی وقفہ یا روک نہیں آتی۔ بلکہ وہ اُسی دن سے ترقیات کی طرف قدم مارنا شروع کر دیتی ہے۔ اور اسی دن سے اپنے احساسات کے مطابق جزا۔ سزا کا اثر قبول کرنا شروع کر دیتی ہے۔ مگر رُوح کی یہ حالت دُنیاوی زندگی میں مثل اس نطفے کے ہوتی ہے۔ جس کی نشوونما ابھی نہیں ہوئی ہوتی اور اس کو ترقی کے لئے رحم مادر کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی طرح رُوح کو بھی برزخ میں نشوونما کی ضرورت ہوگی۔ جسکے نتیجہ میں اس کے اندر سے ایک اور رُوح پیدا ہوگی جو پہلی رُوح سے زیادہ لطیف۔ زیادہ طاقتوں والی اور تیز احساس رکھنے والی ہوگی۔ اور پہلی رُوح اسکے لئے بمنزلہ جسم کے ہو جائیگی۔ پھر جس طرح بچہ رحم مادر سے نکلتا ہے۔ اسی طرح رُوحیں بھی اس نشوونما کے زمانہ کو پورا کرکے قبر سے نکلیں گی۔ مگر ان کی حالت نوزائیدہ

Digitized by Khilafat Library Rabwah

بچّہ کی طرح ہوگی جس کا علم احساسات اور ادراکات ناقص ہوتے ہیں۔ اور اُس کو ایک کمزوری کے زمانہ سے گذرنا پڑتا ہے۔

پس جب ارواح اپنے احساسات اور ادراکات کو اپنے اپنے اعمال کے مطابق (جو پہلی زندگی میں انہوں نے کیئے تھے) کامل کرلینگی تو ان کو اس مقام میں رکھا جائیگا۔ جس کا نام جنّت یا دوزخ ہے تا وہ سُکھ اور دُکھ کا احساس پوری طرح کرسکیں۔

ایک دلچسپ سوال اور اس کا جواب

اوپر کی تشریح سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر ایک روح کو موت کے بعد برزخ میں نشوونما کے لئے رہنا پڑیگا۔ اور اس حالت کو رحمِ مادر کے زمانہ سے تشبیہ دی گئی ہے۔ یعنی جس طرح نطفہ اپنی طاقتوں کی تکمیل کے لئے ۹ ماہ رحمِ مادر میں رہتا ہے اسی طرح ارواح کو بھی برزخ میں رہنا پڑیگا۔ مگر اس پر یہ سوال ہوتا ہے۔ کہ دُنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ ہر ایک نُطفہ کے لئے ۹ ماہ کا زمانہ مقرر ہے۔ جب سے انسان پیدا ہوا ہے۔ اس دن سے آجتک اس زمانہ میں کمی بیشی نہیں ہوئی۔ پھر قوم اور نسل اور ملک کے فرق کی وجہ سے بھی اس زمانہ میں فرق نہیں پڑا۔ تمام دُنیا کے بچّے خواہ وہ مغرب میں ہوں یا مشرق میں۔ سیاہ قوم سے ہوں یا سفید۔ گرم ملک کے ہوں یا سرد ملک کے ہر ایک ۹ ماہ ہی رحمِ مادر میں رہتا ہے۔ مگر ارواح کے متعلق ہم دیکھتے ہیں کہ ان میں رحمِ مادر کا زمانہ مختلف ہوگا۔ کیونکہ ارواح تو انسان کی ابتدا کے وقت سے برزخ (رحمِ مادر) میں داخل ہو رہی ہیں مگر وہ نکلیں گی سب اکٹھی یعنی حشرِ اجساد کے دن۔ گویا اس طرح ایک انسان جو آج سے ایک لاکھ سال قبل فوت ہوا تھا

برزخ میں ارواح کی نشوونما کا زمانہ مختلف کیوں ہے؟

اسکی روح ایک لاکھ سال برزخ (رحمِ مادر) رہیگی۔ اور دوسرا جو قیامت سے چند سال قبل فوت ہوگا اس کی رُوح صرف چند سال برزخ میں رہیگی۔ پس برزخ میں ارواح کے رحمِ مادر والے زمانہ میں تفاوت کیوں ہے۔ اور اس میں کیا حکمت ہے۔ اسکے ساتھ ہی پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر موت کے بعد برزخ کے زمانہ میں ہی ارواح کو اپنے احساسات کے مطابق اُن اعمال کے بدلہ میں جو انہوں نے دنیا میں کیئے۔ جزا سزا ملنی شروع ہو جائیگی۔ تو کیا وجہ ہے کہ ایک رُوح جو قیامت سے ایک لاکھ سال قبل برزخ میں داخل ہوئی اسکو تو ایک لاکھ سال تک دوزخ کی آگ میں جلنا پڑے۔ اور دوسری جو قیامت سے چند سال قبل برزخ میں داخل ہو وہ تھوڑے عذاب کے بعد اس حالت سے نکل جائے۔ ایک ہی گناہ کے بدلہ میں محض بُعدِ زمانہ کی وجہ سے عذاب میں اتنا تفاوت قائم کرنا۔ کیا اس سے اللہ تعالیٰ پر (نعوذ باللہ) بے انصافی کا اعتراض نہیں پڑتا؟ اس تفاوت کی حکمت بیان کرنی چاہیئے۔

Digitized by Khilafat Library Rabwah

ان دو سوالوں کے متعلق عرض ہے کہ یہ درست ہے کہ برزخ میں مختلف ارواح کا رحم مادر کا زمانہ مختلف ہوگا۔ مگر اس میں ایک باریک حکمت ہے جس کو عاجز اپنے علم اور فہم کے مطابق ان حقائق کی روشنی میں جو عاجز نے پیارے آقا حضرت خلیفۃ المسیح ثانی کی پاکیزہ صحبت میں رہ کر حاصل کئے ہیں عرض کرتا ہے۔

ذہنی ارتقاء کا دور آدم اوّل پر جسمانی ترقی ختم ہو گئی۔ جس کے بعد جسمانی ارتقاء بند ہو گیا۔ اور اسکی بجائے ذہنی ارتقاء شروع ہوا۔ مختلف انبیاء علیہم السّلام نے اس ذہنی روحانی ترقی سے کم و بیش حصّہ لیا۔ اور آخر میں حضرت خاتم النبیین صلعم کا ظہور ہوا جن کو ذہنی ترقی میں سب سے زیادہ حصّہ ملا۔ بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ حضور صلعم کے وجود باجود میں ذہنی ارتقاء اپنے کمال کو پہنچ گیا۔ اور حضور صلعم رُوحانی ترقیات میں بوجہ اس ذہنی برتری کے تمام بنی نوع انسان پر (جو گذر چکے تھے۔ موجود تھے اور جو آئندہ قیامت تک ہونگے) فوقیت لے گئے۔ واضح ہو کہ ذہنی ارتقاء کے اظہار کا زمانہ کی تمدنی حالت کے ساتھ بہت دخل ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت سرورِ دوجہان پر آکر ذہنی ترقی ختم ہو گئی۔ اور حضور صلعم

آنحضرتؐ مرکزی کامل نقطہ ذہنی ترقی کا کامل مرکزی نقطہ تھے۔ مگر بوجہ تمدن کے نقص کے حضورؐ کی اس ذہنی ترقی کا کامل ظہور حضورؐ کی بعثت اوّل میں نہ ہوا۔ گو استعداد تھی۔ مگر پورا اظہار نہ ہو سکا۔ پس یہ ذہنی ارتقاء کا سلسلہ جاری رہا۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کے وجود میں آکر یہ ذہنی ترقی اپنی انتہا کو پہنچ گئی۔ اور بوجہ تمدن کے اعلیٰ ہونے کے حضورؐ کی ذہنی استعداد کا اظہار پوری شان کے

وللآخرۃ خیر لک من الاولیٰ ساتھ ہوا۔ گویا آنحضرت صلعم کی بعثت ثانی میں حضورؐ کی ذہنی ترقی کا اظہار کامل طور پر ہوا۔ اور تکمیل اشاعت کا فرض پوری طرح ادا ہو گیا۔ اب یہ ذہنی ارتقاء کا سلسلہ قیامت تک جاری رہیگا۔ اور بعد میں آنے والوں کا ذہنی ارتقاء پہلے گذر جانے والوں سے زیادہ ہوگا۔ مگر چونکہ مرکزی کامل نقطہ آنحضرت صلعم ہیں۔ اور حضورؐ کی ہی کامل اطاعت و پیروی اور محبت میں فنا ہونے سے یہ ترقی پچھلوں کو نصیب ہوگی اسلئے انکی یہ ترقی بھی آنحضرت صلعم کی طفیل ہو گی۔ اور اس میں آنحضرتؐ کی کسرِ شان نہیں بلکہ آپ کا درجہ اور بھی بڑھیگا۔ کیونکہ لائق شاگردوں کی کامیابی اور ترقی کا سہرا قابل اُستاد کے سر ہی باندھا جاتا ہے۔ پھر بعد میں آنیوالوں

آنحضرتؐ کی قوّت قدسیہ کی ذہنی ترقی صرف اپنے پھیلاؤ کے لحاظ سے پہلوں سے زیادہ ہوگی نہ کہ ویسی تیزی اور چمک کے لحاظ سے۔ یعنی آنحضرتؐ کی ذہنی ترقی بلحاظ اپنی چمک اور نور کے سب سے زیادہ تیز ہے۔ مگر اس کا پھیلاؤ (وسعت) بوجہ تمدن کے نُقص کے کم ہوا۔ بعد میں آنے والوں کی ذہنی ترقی میں اتنی چمک اور تیزی نہ ہوگی۔ مگر بوجہ تمدن کے اعلیٰ ہونے کے اس کا پھیلاؤ (وسعت) زیادہ ہوگا۔ اسکی

Digitized by Khilafat Library Rabwah

مثال ایسی ہی ہے کہ کوئی بہت بڑی کینڈل پاور کا لمپ ہو جو اپنی چمک دمک میں سب چراغوں کو مات کر دے۔ مگر بعد میں آنیوالے اس لمپ کے آگے مجوّف لینز رکھدیں۔ جو اسکی روشنی کو میلوں تک پہنچا دیں۔

پس یہ ذہنی ترقی کا سلسلہ قیامت تک جاری رہیگا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ آدمِ اوّل سے لیکر آج تک جسمانی نشوونما کا زمانہ وہی ہے یعنی ۹ ماہ اور یہ کم و بیش نہیں ہؤا۔ کیونکہ جسمانی ارتقاء بند ہو چکی ہے۔ مگر ذہنی ارتقاء میں چونکہ پہلے گذر جانے والے بعد میں آنیوالوں سے بہت پیچھے ہیں۔ اسلئے برزخ کے برزخ میں ذہنی کمی (زمانہ میں پہلے گذر جانے والے اپنی اس ذہنی کمی کو پورا کرینگے۔ اور جتنا کوئی قیامت پوری کی جائے گی) سے زیادہ قبل فوت ہؤا ہے اتنا ہی وہ چونکہ ذہنی ارتقاء میں پیچھے ہوگا۔ اسلئے اتنا ہی زیادہ عرصہ وہ برزخ میں گذاریگا۔ اور بعد میں فوت ہونے والے چونکہ یہ ذہنی ترقی دنیا میں حاصل کر چکے ہونگے۔ اس لئے ان کو کم عرصہ برزخ میں گذارنا پڑیگا۔ گویا اس ۷ ہزار سال کے عرصہ میں جو آدمِ اوّل کو ملا۔ وہ اپنی اس ذہنی کمی کو پورا کر کے پچھلوں کے ساتھ مل جائینگے۔ اور پھر حشرِ اجساد کے وقت سب یکساں روحانی ترقی کی طرف قدم مارینگے۔

اوپر کی تشریح سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ذہنی ارتقاء آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ تھا۔ مگر نبی کریمؐ پھر بھی آپ سے افضل ہیں کیونکہ وہی کامل مرکزی نقطہ ذہنی ترقیات کا تھا۔ جس کی طفیل آپؑ کو یہ درجہ ملا۔

قرآن کامل شرعی قانون تا قیامت

پھر قیامت تک آنحضرتؐ کی تعلیم کا دور جاری رہیگا۔ تعلیم (قرآن) یہی ہوگی ہاں تمدن کی ترقی کے مطابق قرآن کریم سے قوانین نکلتے رہیں گے۔ تمدنی ترقی صحابہ کرامؓ کے وقت کم تھی مگر ان کی ذہنی اور روحانی استعدادیں کم نہ تھیں۔

حضرت مسیح موعودؑ کے وقت تمدن اعلیٰ ہے — جزوی فضیلت

اس زمانہ میں تمدنی ترقی زیادہ ہوئی ہے۔ اور یہ جزوی فضیلت ہے۔ جو حضرت مسیح موعودؑ کو آنحضرت صلعم پر حاصل ہے۔ نبی کریم صلعم کی ذہنی استعدادوں کا پورا ظہور بوجہ تمدن کے نقص کے نہ ہؤا۔ ورنہ قابلیت تھی۔ اب تمدن کی ترقی سے حضرت مسیح موعودؑ کے ذریعے (بعثتِ ثانی) ان کا پورا ظہور ہؤا ہے۔ اسکی وجہ صرف یہ تھی کہ آپ کو موقع ملا۔ اور ذہنی طاقتوں کی نشوونما ہو گئی۔ چنانچہ آجکل باریک باریک اقسام گناہ کی نکل آئی ہیں۔ اور کئی باریک نیکیاں بھی ظاہر ہو رہی ہیں۔ مقابلہ زیادہ سخت ہے۔ لوگ اعلیٰ تربیت کی وجہ سے علمی اعتراض کرتے ہیں جنکا جواب بغیر ذہنی ترقی کے مشکل تھا۔ تلوار کے جہاد کی بجائے قلمی جہاد کا وقت ہے۔ مگر ان سب کا جواب قرآن کریم میں موجود ہے۔ اس سے قبل چونکہ ان باریک علمی باتوں کی ضرورت پیدا نہ ہوئی تھی۔ اسلئے انکا

Digitized by Khilafat Library Rabwah

اظہار بھی نہ ہوا۔ حضرت مسیح موعودؑ نے تمدن کی ضرورت کے ماتحت ان کو قرآن کریم سے نکالا۔ اور اپنی کتب میں ان کی تشریح فرمائی۔ مگر وہ سب علوم بطور بیج کے قرآن کریم میں پہلے سے موجود تھے۔ اور اب حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ان حقائق و معارف کو اور زیادہ وضاحت سے بیان فرما رہے ہیں۔ مگر یہ سب کچھ حضرت مسیح موعودؑ کی کتب میں موجود ہے۔ اسلئے آپؑ کی طفیل ہی ہے۔ اور قیامت تک یہ علمی موتیوں کی لوٹ جاری رہیگی۔ مگر وہ مرکزی کامل نقطہ جسکے گرد یہ پاکیزہ ہستیاں چکر لگا رہی ہیں۔ اور آئیندہ آنے والی تا قیامت لگاتی رہیں گی۔ آنحضرت صلعم اور قرآن کریم ہی ہیں۔ اللّٰھم صل علی محمد

ان سب کا مقام ذیل کے نقشہ سے ظاہر ہے:۔

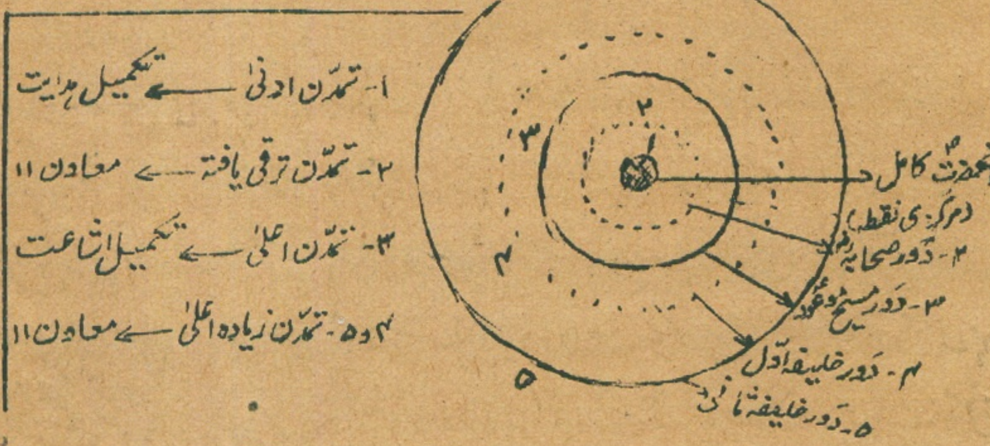

جوں جوں تمدنی ترقی کا دائرہ وسیع ہوتا جائیگا۔ ذہنی ترقی کا ظہور بھی زیادہ ہوگا۔ آنحضرتؐ میں ذہنی ترقی کی استعداد کاملہ تھی۔ گو بوجہ تمدنی نقص کے بعثت اوّل میں اس کا پورا ظہور نہ ہوا۔ مگر حضورؐ کی ترقی برابر جاری رہی۔ اب بھی جاری ہے۔ اور تا قیامت جاری رہیگی۔ گو حضرت مسیح موعودؑ آنحضرتؐ سے

آنحضرتؐ کی روحانی ترقی کا کمال

۱۳۰۰ سال بعد آئے اور ذہنی ترقی سے زیادہ حصہ پایا۔ مگر آنحضرتؐ نے برزخ میں جو روحانی ترقی اس ۱۳۰۰ سال کے عرصہ میں کرلی ہے وہ مسیح موعودؑ کی ذہنی ترقی سے بہت زیادہ ہے۔ گویا جتنا حضورؐ پہلے تشریف لائے تھے اتنی ہی آپؐ نے ترقی زیادہ کرلی ہے کیونکہ آخرت کی ترقی اس دنیا کے مقابل میں زیادہ سرعت سے ہوگی۔ لہٰذا حضورؐ کے بعد جو آئینگے وہ حضورؐ سے کم روحانی ترقی کرینگے۔ پس نبی کریمؐ کی بعثت کے بعد اب یہ معاملہ الٹ ہو گیا ہے۔ نبی کریمؐ سے قبل جو گذر چکے ہیں وہ تو برزخ میں ابھی اپنی ذہنی کمی کو پورا کر رہے ہیں اسلئے وہ اگر ایک لاکھ سال

Digitized by Khilafat Library Rabwah

بھی حضورؐ سے قبل فوت ہوں تو بھی حضورؐ سے آگے نہیں نکل سکتے۔ اور جو حضورؐ کے بعد فوت ہونگے۔ وہ بھی روحانی ترقیات میں حضورؐ سے آگے نہیں نکل سکتے۔ کیونکہ جتنا عرصہ وہ دنیا میں ذہنی ترقی کرینگے اتنا عرصہ حضورؐ برزخ میں روحانی ترقی کرینگے۔ پس حضورؐ پہلے گذرنے والوں اور بعد میں آنے والوں سب سے روحانی ترقی میں سبقت لیجائینگے۔ اللّٰھمّ صلّ علیٰ محمدٍ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ اجمعین۔

تمدنی اور ذہنی ترقی میں فرق

یورپ نے تمدنی اور ذہنی (اخلاقی) ترقی میں فرق نہیں کیا۔ انہوں نے دونو کو ایک دوسرے کا مترادف سمجھ لیا ہے۔ حالانکہ ہو سکتا ہے کہ ایک شخص ادنیٰ تمدن میں بھی اعلیٰ ذہنی اور روحانی ترقی کرلے (یہ الگ بات ہے کہ اسکا اظہار نہ ہو) پس جسمانی ترقی کے بند ہونے کے بعد ذہنی ترقی برابر اور مسلسل طور پر جاری ہے۔ اور قیامت تک جاری رہیگی۔ مگر تمدنی ترقی کا حال مختلف ہے اسکی ترقی مسلسل نہیں ہوتی بلکہ اسکے مختلف دور ہوتے ہیں۔ ایک زمانہ میں تمدن عروج پر ہوتا ہے۔ پھر اس پر زوال آنا شروع ہو جاتا ہے۔ غرضیکہ اس طرح مدّوجذر کی سی حالت رہتی ہے ہو سکتا ہے کہ ایک قوم ذہنی ترقی میں بالکل ادنیٰ ہو۔ مگر وہ تمدنی ترقی میں اوّل نمبر پر ہو (جیسا کہ مثلاً آجکل مغربی قوموں کی حالت ہے) اور ایک قوم ذہنی ترقی میں اعلیٰ مقام پر ہو مگر تمدنی لحاظ سے ادنیٰ ہو۔ جیسا کہ عرب کی زمانہ جاہلیت میں حالت تھی۔

حبشیوں کی بھی ذہنی استعداد اعلیٰ ہے۔

شاید کوئی یہ خیال کرے کہ ہم کس طرح مان لیں کہ ذہنی ارتقاء برابر جاری ہے جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ کئی حبشی لوگ ہیں جو اپنا ستر بھی نہیں ڈھانپتے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ حبشی اقوام کی ذہنی استعداد بھی اتنی ہی ہے جتنی کہ مہذب اقوام کی بلکہ ممکن ہے ان سے زیادہ بھی ہو۔ مگر وہ بند پڑی ہے انکی طاقتیں محفوظ ہیں۔ مخفی ہیں۔ کیونکہ تمدن کے نقص کی وجہ سے کئی صدیوں سے ان کی ذہنی طاقتوں کی نشوونما نہیں ہوئی۔ انکو موقع نہیں ملا۔ ورنہ انکو تہذیب سکھاؤ تو وہ یقیناً تم سے بڑھ جائینگے۔ انکی مثال اس ہیرے کی ہے جو ابھی کٹا نہ ہو جب وہ کاٹا گیا تو ممکن ہے دنیا کے تمام ہیروں سے زیادہ روشن اور خوبصورت ہو۔ عرب بھی زمانہ جاہلیت میں وحشی کہلاتے تھے مگر وہ تمدن کے نقص کی وجہ سے تھا۔ ورنہ ذہنی استعداد انکی کم نہ تھی۔ بلکہ زیادہ تھی جسکا ثبوت یہ ہے کہ جب انہوں نے تمدن سیکھا۔ تو دنیا مان گئی کہ عرب تہذیب اور روحانیت میں سب سے بڑھ گئے۔

مصریوں کی قدیمی ترقی تمدنی تھی نہ ذہنی

گو مصریوں نے بھی پہلی صدیوں میں بہت ترقی کی تھی۔ مگر وہ تمدنی ترقی تھی جو روحانی (ذہنی) ترقی سے الگ ہے۔ اس قسم کے تمدنی ترقی کے دور تو دنیا پر کئی آئے ہونگے۔ جن میں اُتار چڑھاؤ ہوتا رہتا ہے۔ مگر صحابہ کرامؓ کی جو ترقی تھی وہ ذہنی (روحانی) ترقی تھی

Digitized by Khilafat Library Rabwah

جو اس سے قبل اُس شان کے ساتھ پہلے کسی زمانہ میں نہ ہوئی تھی۔

پس حبشی لوگ بھی ذہنی ترقی میں زمانہ کے ساتھ شامل ہیں۔ مگر انکو اپنی ذہنی طاقتوں کے نشوونما کرنے کا موقع نہیں ملتا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جن طاقتوں کے بڑھانے کا ان کو موقع ملتا ہے اور جن سے زندگی کے قیام کے لئے۔ بقائے انسب کے قانون کے ماتحت انکو فطرتاً کام لینا پڑتا ہے۔ ان میں وہ اب بھی ہم سے بڑھے ہوئے ہیں۔

قوت شامہ اور سامعہ کے عجائبات

مثلاً قوت شامہ۔ اُن میں سونگھنے کی طاقت اتنی بڑھی ہوئی ہے۔ کہ وہ لوگ اس طاقت سے دوست اور دشمن میں تمیز کر لیتے ہیں۔ پھر وہ سونگھ کر بتا سکتے ہیں کہ فلاں عورت حائضہ ہے۔ یا فلاں شخص کی موت قریب ہے۔

اسی طرح ان کی قوت سامعہ بھی تیز ہے۔ وہ لوگ سڑک پر کان لگا کر کئی میلوں کے فاصلہ سے معلوم کر لیتے ہیں کہ کوئی سوار آرہا ہے۔

دنیا کا آئندہ دور تمدن حبشی ہوگا

چنانچہ جو حبشی لوگ تہذیب سیکھ رہے ہیں ان میں ان طاقتوں کا اظہار ہو رہا ہے، بعض مغربی لوگوں کا خیال ہے کہ آئندہ دنیا میں تمدن۔ ترقی اور تہذیب کا دور حبشی قوم کا ہوگا۔ کیونکہ ہماری طاقتیں دن بدن خرچ ہو رہی ہیں اور اُن کی ذہنی طاقتیں صدیوں سے محفوظ چلی آرہی ہیں۔

دوسرے سوال کے متعلق عرض ہے کہ برزخ میں جو ارواح کو ایک ہی گناہ کے بارہ میں مختلف زمانوں کے لئے دکھ اُٹھانا پڑیگا۔ اس سے بے انصافی پیدا نہیں ہوتی۔ کیونکہ سزا کی غرض بندوں کی اصلاح ہے۔

سزا کی اصل غرض اصلاح۔ نہ انتقام

نہ کہ انتقام لینا۔ سزا احساس کرا دینے کا نام ہے۔ نہ کہ تھوڑا یا لمبا عرصہ قید میں رکھنے کا۔ پس اصل معیار سزا کا اسکی میعاد نہیں بلکہ اسکا احساس ہے۔ ایک ڈاکٹر اسکو خوب جانتا ہے کہ ایک جاٹ (دیہاتی آدمی) کو ۶ ماہ کی قید آسان ہے۔ مگر ایک تعلیم یافتہ اور خصوصاً نیورستھینیا کے مریض کو ۶ دن کی قید کاٹنی مشکل ہو جاتی ہے۔

سزا احساس کا نام ہے نہ میعاد کا

ادنی تمدن والے انسان کو جس سزا کا احساس مہینوں اور سالوں میں ہوتا ہے ایک اعلیٰ تمدن والے انسان کو اتنا ہی احساس دنوں اور ہفتوں میں ہو جاتا ہے۔ پس احساسات کا فرق ہے تہذیب نے انسان کی حسّوں کو تیز کر دیا ہے۔ ذہنی

تہذیب کا پھل درد کا شدید احساس

کے ساتھ حواس کی تیزی اور حدت بھی بڑھ رہی ہے۔ درد کا احساس بھی تہذیب اور تمدن کا نتیجہ ہے۔ ادنی مخلوق مثلاً جمادات میں بہت کم درد کا احساس ہے، نباتات میں بھی کم ہے۔ حیوانوں میں ذرا زیادہ۔ پھر جاٹ زمیندار کا احساس زیادہ ہے اور تعلیم یافتہ

Digitized by Khilafat Library Rabwah

اعلیٰ تمدن میں رہنے والے کا احساس بہت ہی زیادہ ہے۔ پس ادنیٰ اور اعلیٰ تمدن کی وجہ سے درد کے احساس میں فرق ہے۔ کلوروفارم کی ایجاد سے قبل لوگ بڑے بڑے اپریشن بغیر دوائی سونگھنے کے کروا لیتے تھے یہاں تک کہ ٹانگ یا بازو کاٹنے میں بھی زیادہ درد محسوس نہ کرتے تھے۔ ایک شخص کے متعلق مشہور ہے کہ اس کا بازو کاٹنا تھا۔ وہ کہنے لگا میں کلوروفارم نہیں سونگھونگا وہ ایسا دیسا ہو جو درد کی وجہ سے چلّائے۔ چنانچہ وہ آرام سے لیٹا رہا۔ بلکہ خود ڈاکٹر کو بتاتا تھا کہ فلاں جگہ رہ گئی ہے۔ اب بھی ہم دیکھتے ہیں کہ پٹھان لوگ درد کی بالکل پروا نہیں کرتے۔ اور بڑے بڑے اپریشن بغیر کلوروفارم کے کروا لیتے ہیں۔ مگر ایک تعلیم یافتہ یوروپین کا دانت نکالنا ہو تو بھی کہتا ہے کوکین لگاؤ۔ پس درد کے احساس میں اختلاف ہے۔

درد کے احساس میں فرق ہے

انسان اس بات کا موازنہ نہیں کر سکتا کہ کسی کو کتنی سزا دینی ہے۔ ایک مجسٹریٹ ایک ہی جرم میں ایک مجرم کو ایک ماہ دوسرے کو دو ماہ اور تیسرے کو تین ماہ قید کی سزا اگر دے تو یہ بے انصافی ہے۔ مگر عالم الغیب اور انسان کو پیدا کرنیوالی ہستی جانتی ہے کہ فلاں کا احساس کتنا تیز ہے۔ اور اس علم کے مطابق وہ ایک ہی گناہ کے بدلہ میں سزا میں کمی بیشی کر سکتی ہے۔ پس آدمِ اوّل کے وقت کے کافروں کو ۷ ہزار سال کے عرصہ میں اُتنا احساس ہوگا جتنا آدمِ ثانی (مسیح موعودؑ) کے کافروں کو چند دنوں میں۔ کیونکہ اوّل الذکر کے حواس میں اتنی حدت اور تیزی نہیں ہوگی جتنی ثانی الذکر کے حواس میں۔ قرآن کریم میں آتا ہے۔ والوزن یومئذٍ الحق۔ اس دن موازنہ ہوگا۔ کہ فلاں کو کتنی سزا سے بدی کا احساس اور ندامت ہو سکتی ہے۔

پھر وہ فرماتا ہے لَا یُظلمون فتیلا۔ یا نقیرا۔ گویا نقطہ کے برابر بھی ظلم نہ ہوگا۔ نقطہ ایک بے حقیقت چیز ہے نہ اسکا طول ہے نہ عرض۔ پس بالکل ظلم نہ ہوگا۔ اور وہ دیکھ لیگا۔ کہ مثلاً اگر آدم اوّل کے وقت کے لوگوں میں سے بطور استثناء کے کسی کا احساس خاص طور پر تیز ہوگا تو اسکو تھوڑا عرصہ عذاب میں رکھیگا۔ اور آدمِ ثانی والوں میں سے اگر کسی کا احساس خاص طور پر کند ہوگا۔ تو اسکا زمانہ لمبا کر دیگا۔ کیونکہ وہ علیم و حکیم ہے اور قادرِ مطلق بھی ہے۔ پھر ہو سکتا ہے کہ وہی نتیجہ جو لمبے عرصہ میں پیدا ہوتا ہے۔ بوجہ تکلیف کی شدت کے تھوڑے عرصہ میں پیدا ہو جائے۔ یعنی آدمِ اوّل کے کافروں کی سزا میں سختی (شدت) کم رکھی جائے مگر اسکی میعاد زیادہ ہو۔ اور آدمِ ثانی کے کافروں کی سزا میں شدت زیادہ ہو مگر میعاد کم ہو۔ اور اسی طرح دونو حالتوں میں نتائج بلحاظ احساس کے یکساں رہیں۔ مثلاً لوہے میں برمے کو تیزی سے حرکت دیکر سوراخ ۲ منٹ میں کر دیا جائے۔ یا پانی کا ایک ایک قطرہ اس پر ٹپکا کر ۱۰ سال میں اسمیں سوراخ کیا جائے۔ نتیجہ ایک ہی ہے۔ پہلوں میں چونکہ ذہنی نقص کی وجہ سے احساس کند ہوگا اسلئے باوجود لمبی مدت کے

Digitized by Khilafat Library Rabwah

تحفۃ المتشیعین (نمبر ۳)

اہل البیت و آل محمد صلے اللہ علیہ وسلم کون لوگ ہیں؟

اب لفظ آل کے متعلق چند حدیثیں پیش کی جاتی ہیں۔

(۱) تخلیص الصحاح جلد ۲ صفحہ ۵۱-۵۲ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر درود بھیجنے کے بیان میں لکھا ہے " اور بجز ترمذی کے چھٹوں کی روایت میں جو ابو حمید ساعدی سے مروی ہے مذکور ہے کہ اصحاب نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہم آپ پر کس طرح درود بھیجیں تو آپ نے فرمایا کہ یوں کہو اللھم صل علیٰ محمد وعلیٰ ازواجہ وذریتہ کما صلیت علیٰ ابراھیم وبارک علیٰ محمد وعلیٰ ازواجہ وذریتہ کما بارکت علیٰ ابراھیم انک حمید مجید اور پانچوں کی روایت میں جو کعب بن عجرہ سے مروی ہے مذکور ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر برآمد ہوئے تو ہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہم کو آپ پر سلام کرنا تو معلوم ہو چکا ہے[۵۱] لیکن ہم آپ پر درود کس طرح بھیجیں تو آپ نے فرمایا کہ اس طرح کہو اللھم صل علیٰ محمد وعلیٰ آل محمد کما صلیت علیٰ ابراھیم انک حمید مجید اللھم بارک علیٰ محمد وعلیٰ آل محمد کما بارکت علیٰ ابراھیم انک حمید مجید۔ پہلی روایت جو ابی حمید الساعدی سے روایت کی گئی وہ امام مالکؒ کی موطا (مترجم) کے صفحہ ۱۱۵ اور سنن نسائی مترجم جلد اول کے صفحہ ۳۱۴ میں درج ہے۔ اور شرح سنن ابن ماجہ جلد اول صفحہ ۳۱۵ میں بھی موجود ہے۔

(۲) سنن ابن ماجہ مترجم جلد ثالث میں ایک باب کا عنوان ہے " باب معیشۃ آل محمد صلے اللہ علیہ وسلم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آل کی زندگی کیونکر گذری اسکا بیان" پھر لکھا ہے " عن عائشۃ قالت ان کنا آل محمد صلے اللہ علیہ وسلم لنمکث شھرا ما نوقد فیہ بنار ما ھو الا التمر والماء اسکا ترجمہ یہ لکھا ہے " ام المومنین حضرت عایشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے ہم آل محمد (یہاں آل محمد سے گھر والے مراد ہیں جس میں بی بیاں بھی داخل ہیں) ایک ایک مہینہ اس طرح سے گذارتے تھے کہ گھر میں انگارہ نہ سلگائی جاتی (کیونکہ کھانا پکانے کے لئے نہ ہوتا) اور ہمارا کھانا یہی ہوتا کھجور اور پانی۔"

[۵۱] جو التحیات میں ہے وہ سلام

Digitized by Khilafat Library Rabwah

(۳) پھر صفحہ ۳۶۸ میں یہ حدیث ہے عن عبد اللہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما اصبح فی آل محمد الا مُدٌّ من طعام او ما اصبح فی آل محمد مُدٌّ من طعام عبد اللہ بن مسعود سے روایت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آل محمدؐ پاس صبح کے وقت کچھ نہیں ہے سوا ایک مُدّ اناج کے (مُدّ ایک رطل سے کچھ زیادہ ہوتا ہے سوا رطل آدھ سیر ہمارے ملک کے وزن سے)

(۴) اسی کتاب کے صفحہ مذکور میں ایک باب ہے جس کا عنوان یہ ہے "**باب ضجاع آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم**" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آل کا بچھونا سونے کا کیسا تھا" پھر حدیث ذیل درج ہے جو صفحہ ۳۶۱ سے شروع ہوئی ہے عن عائشۃ قالت کان ضجاع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ادما حشوہ لیف ام المومنین جناب عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بچھونا دلیئے کا چمڑے کا تھا اسکے اندر خرما کی چھال بھری ہوئی تھی (بجائے روئی کے)

نوٹ:- چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کا بچھونا بھی وہی تھا جو آنحضرتؐ کا اسلئے یہ حدیث آل محمدؐ کے متعلق ہوئی۔

شیخ مقداد (اثنا عشری) نے اپنی کتاب کنز العرفان میں لکھا ہے اور اجماع شیعہ کا بیان کیا ہے کہ آل صرف ائمہ معصوم ہی ہیں اور کوئی نہیں اسکی عبارت یہ ہے "الذین یجب علیہم الصلوٰۃ فی الصلوٰۃ ویستحب فی غیرھا الائمۃ المعصومون لاطباق الاصحاب انھم ھم الآل۔ ولان الامر بذالک مشعر لغایۃ التعظیم المطلق الذی لایستوجبہ الا المعصوم واما فاطمۃ علیہا السلام فتدخل ایضاً لانھا بضعۃ منہ انتھی (ہدایات الرشید صفحہ ۱۱۳) یعنی جن لوگوں پر درود پڑھنا واجب ہے نماز میں اور نماز کے سوا مستحب ہے ائمہ معصومین ہیں کیونکہ اصحاب شیعہ کا اسپر اتفاق ہے کہ آل صرف ائمہ معصومین ہیں اور دوسری وجہ یہ ہے کہ درود کا حکم ہونا نہایت تعظیم کو مشعر ہے جس کا سوائے ائمہ معصومین کے اور کوئی مستحق نہیں ہاں حضرت فاطمہؓ وجوب صلوٰۃ میں داخل ہیں کیونکہ حضرتؐ کا جزو ہیں۔

اب ہم آیت تطہیر کے متعلق بحث شروع کرتے ہیں وہ آیات قرآنیہ جن میں آیت تطہیر داخل ہے حسب ذیل ہیں:-

یاایھا النبیّ قل لازواجک ان کنتنّ تردن الحیوٰۃ الدنیا وزینتھا فتعالین أمتّعکنّ وأسرّحکنّ سراحاً جمیلا۔ وان کنتنّ تردن اللہ ورسولہ والدار الاٰخرۃ فان اللہ اعدّ للمحسنٰت منکنّ اجراً عظیما۔ ینساء النبیّ من یأت

Digitized by Khilafat Library Rabwah

منکنّ بفاحشۃ مبیّنۃ یُضٰعف لھا العذاب ضعفین ؕ وکان ذٰلک علی اللّٰہ یسیرا
ومن یقنت منکن اللّٰہ ورسولہ وتعمل صالحًا نؤتہا اجرھا مرّتین واعتدنا لھا
رزقا کریما۔ ینسآء النبی لستن کاحد من النسآء ان اتقیتنّ فلا تخضعن بالقول
فیطمع الذی فی قلبہ مرض وقلن قولا معروفا ہ وقرن فی بیوتکنّ ولا تبرّجن
تبرّج الجاھلیۃ الاولیٰ واقمن الصلوٰۃ واٰتین الزکوٰۃ واطعن اللّٰہ ورسولہ
انما یرید اللّٰہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا۔ واذکرن
ما یتلیٰ فی بیوتکنّ من اٰیات اللّٰہ والحکمۃ ؕ انّ اللّٰہ کان لطیفا خبیرا۔ (سورۃ الاحزاب
پ ۲۲) ترجمہ۔ اے نبی کہ اپنی بی بیوں کو اگر ہو تم چاہتیں اللہ اور اُس کا رسول اور گھر آخرت کا تو تحقیق اللہ
نے تیار کیا ہے واسطے نیکی کرنے والوں کے تم میں سے بڑا ثواب۔ اے بی بیو نبی کی جو کوئی مرتکب ہوئی
تم میں سے بیحیائی ظاہر کی بڑھایا جاویگا اُسکو عذاب دو چند اور ہے یہ اللہ پر آسان اور جو کوئی فرمانبرداری
کرے تم میں سے اللہ اور اُسکے رسول کی اور عمل کرے اچھے دینگے ہم اُسکو ثواب دو چند اور تیار کیا ہم نے
واسطے اُنکے رزق اچھا۔ اے بی بیو نبی کی نہیں تم مانند عام عورتوں کے اگر تم ڈر رکھو۔ سو تم دب کر نہ کہو بات
پھر لالچ کرے کوئی جسکے دل میں روگ ہے اور کہو بات معقول۔ اور قرار پکڑو اپنے گھروں میں اور دکھاتی
نہ پھرو جیسا کہ دکھانا دستور تھا پہلے نادانی کے وقت (یعنی کفر کے وقت عورتیں بے پردہ پھرتی تھیں)
اور کھڑی کرو نماز اور دیتی رہو زکوٰۃ اور اطاعت میں رہو اللہ کی اور اُسکے رسول کی اللہ یہی چاہتا ہے
کہ دُور کرے تم سے گندی باتیں اس گھر والو۔ اور سُتھرا کرے تم کو ایک سُتھرائی سے اور یاد کرو جو پڑھی جاتی
ہیں تمہارے گھروں میں اللہ کی باتیں اور حکمت۔ مقرر اللہ ہے بھید جانتا خبردار۔

تفسیر۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلا نکاح ۲۵ برس کی عمر میں ایک معزز و دولتمند خاندان کی بیوہ
حضرت خدیجہ رضؓ کے ساتھ ہوُا۔ اس بی بی نے سنلہ نبوت میں جب آنحضرتؐ کی عمر پچاس برس کی تھی وفات
پائی۔ حضرت خدیجہ رضؓ کی حیات میں آنحضرتؐ نے دوسرا نکاح نہیں کیا۔ حضرت خدیجہ رضؓ کی وفات کے بعد آنحضرتؐ
نے بی بی عائشہ رضؓ و بی بی سودہ رضؓ سے نکاح کیا اور بعد ازاں اور کئی بی بیوں سے نکاح کیئے۔ کثرت ازدواج میں چند
حکمتیں مخفی تھیں (۱) عورتوں کو مسائل شریعت کی تعلیم ازدواج مطہرات کے ذریعہ سے۔ (۲) بعض دشمن
قوموں سے بذریعہ نکاح اُلفت باہمی پیدا ہونا۔ (۳) بعض واجب الرحم عورتوں کے ساتھ حُسن سلوک
چونکہ ازدواج مطہرات کے ذریعہ سے بہت سے مسائل شریعت کا اہل اسلام میں پھیلانا۔ خدائے تعالیٰ کو
منظور تھا اور وہ دیگر مومنات کے لئے پاک نمونہ بننے والی تھیں اسلئے اللہ تعالیٰ نے اُنکو مومنین کی

Digitized by Khilafat Library Rabwah

روحانی مائیں قرار دیا چنانچہ اسی سورۃ الاحزاب کے شروع میں فرمایا النبی اولیٰ بالمومنین من انفسھم وازواجہ امّھاتھم یعنی نبی بہت شفقت کرنے والا ہے مسلمانوں پر انکی جانوں سے اور بی بیاں اسکی مائیں ہیں اُن کی۔ اور اس غرض سے کہ ازواج مطہرات آنحضرتؐ کی وفات کے بعد کسی جانب جائز سے مسائل شریعت میں کچھ تغیر و تبدّل کی موجب نہ ہوں نکاح ثانی اُن کے لئے حرام ٹھیرادیا چنانچہ اسی سورۃ الاحزاب میں فرمایا۔ وما کان لکم اَنْ توذوا رسول اللّٰہ ولا ان تنکحوا ازواجہ من بعدہٖ ابدًا ان ذٰلکم کان عند اللّٰہ عظیماہ اور نہیں مناسب تمھیں کہ ایذا دو رسول اللہؐ کو اور نہ یہ کہ نکاح کرو ان کی بی بیوں سے بعد اسکے کبھی بھی تحقیق یہ ہے نزدیک اللہ کے بڑا گناہ۔

چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی اولاد حضرت خدیجہؓ کے سوائے اور کسی بی بی کے بطن سے نہیں ہوئی اور آنحضرتؐ نے اپنی وفات کے وقت کوئی جائداد قابل توریث نہیں چھوڑی جو کچھ تھی وقف کر چکے تھے۔ اسلئے ازواج مطہرات کا دین کو مقدّم رکھ کر خدا اور رسول کے خوش رکھنے اور آنحضرتؐ کی زوجیت میں داخل رہنے کا عزم بالجزم ایک عظیم الشان قربانی کی تعریف میں داخل تھا اسلئے اللہ تعالیٰ نے اُن کو ایک طرف تو ابدالآباد کے لئے مومنین کی رُوحانی مائیں بننے کی عزّت عطا فرمائی۔ جیساکہ پہلے ذکر کیا گیا۔ اور دوسری طرف حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم سے فرمایا لا یحل لک النسآء من بعد ولا ان تبدّل بھنّ من ازواج ولو اعجبک حسنھن الا ما ملکت یمینک ط وکان اللّٰہ علیٰ کُلّ شیءٍ رقیباہ ترجمہ نہیں حلال واسطے تیرے عورتیں بعد اسکے اور نہ کہ بدل لے تو ان سے اور بی بیاں اور اگرچہ خوش لگے تجھ کو حسن اُنکا سوائے اُن کے جنکے مالک ہوگئے ہیں داہنے ہاتھ تیرے اور ہے اللہ ہر شئے پر نگہبان۔

اب ان آیات مذکورہ سے روز روشن کی طرح قطعاً و یقیناً ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کو یہ منظور تھا کہ ازواج مطہرات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تقویٰ و طہارت کا معراج الکمال دائمی اور ابدی طور پر عطا فرمائے۔ پس کچھ شک نہیں کہ آیت تطہیر جسکا سباق و سیاق بھی اسکا مؤید ہے ازواج مطہرات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی شان میں نازل ہوئی ہے اور اوّلین اور حقیقی مصداق آیت مذکورہ ازواج مطہرات ہی ہیں۔

آیت کریمہ جو پارہ ۱۲ سورہ ہُود میں حضرت سارہؓ زوجہ حضرت ابراہیمؑ کے حق میں وارد ہے وہ بھی آیت تطہیر کی تفسیر کر رہی ہے اور وہ یہ ہے۔ قالوا اتعجبین من امر اللّٰہ رحمۃ اللّٰہ وبرکتہ علیکم اھل البیت انہٗ حمید مجید۔ فرشتے بولے کیا تعجب کرتی ہے تو اللہ کے حکم سے اللہ کی مہر ہے اور

Digitized by Khilafat Library Rabwah

برکتیں تم پر اے اہلبیت وہ ہے حمید بڑائیوں والا۔

شیعہ صاحبان جو ان آیات محکمات سے چشم پوشی کرکے روایات احاد غیر قطعیہ کی بنا پر۔ ازواج مطہرات نبی کریم صلے اللہ علیہ سلم کو آیت تطہیر سے خارج ٹھیراتے اور نظم قرآنی میں گڑبڑ ہو جانا بتلاتے ہیں یہ انکا ظلم عظیم اور صریح تکذیب قرآن کریم ہے۔ پھر طرفہ تر یہ کہ وہ روایات بھی من حیث المجموع ازواج مطہرات کو آیت تطہیر سے خارج نہیں ٹھیراتیں ہاں بعض دیگر کا بھی آیت مذکورہ میں دخل ہونا بتاتی ہیں چنانچہ ہم ان روایات کو تفسیر ترجمان القرآن سے مختصراً ذیل میں درج کرینگے اور ہر ایک حدیث پر جو کچھ جرح ایک سرسری نظر ڈالنے سے بھی ہو سکتی ہے اُسکی طرف ناظرین کو توجہ دلائینگے۔

تفسیر ترجمان القرآن میں زیر آیات موصوفہ لکھا ہے۔ "حافظ ابن کثیر نے کہا ہے کہ اللہ عز وجل نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ادب سکھائے ہیں اور اُمّت کی سب عورتیں ان آداب میں انکے تابع ہیں پس اللہ تبارک نے انکو خطاب کرکے فرمایا یٰنساء النبی لستن کاحد من النساء ان اتقیتن۔ یعنی اے نبی کی بی بیو حکم خداوندی کے مطابق اگر تم اللہ عز وجل سے ڈرتی رہو تو تمھاری فضیلت اور درجہ پر کوئی عورت نہ پہنچیگی اور تمھارے جیسی نہ ہو سکیگی۔۔۔۔ پھر فرمایا انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا اے گھر والو بیشک اللہ تم سے گندی باتوں کو دُور کرکے تمھیں اچھی طرح پاک کرنا چاہتا ہے یہ آیت کریمہ ازواج مطہرات کے اہل بیت میں داخل ہونے کے واسطے نص صریح ہے کیونکہ اس آیت کا سبب نزول وہی ہیں اور سبب نزول تو اتفاقاً آیت کے حکم میں داخل ہوتا ہے اختلاف ہے تو امر میں ہے کہ بعض کے نزدیک حکم سبب نزول پر ہی موقوف رہتا ہے مگر صحیح یہ ہے کہ سبب نزول مع غیر اپنے کے حکم میں داخل ہوا کرتا ہے ابن جریر نے عکرمہ سے روایت کیا ہے کہ وہ بازار میں پکارا کرتے تھے کہ آیت انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا خاص نبی کریم صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کے ازواج مطہرات کے حق میں نازل ہوئی ہے اور ابن ابی حاتم نے بھی ایسا ہی روایت کرکے کہا کہ علی بن موصلی نے ہم سے حدیث بیان کی انہوں نے کہا ہمیں حسین بن واقد نے یزید نحوی سے انہوں نے عکرمہ سے انہوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ آیت کریمہ انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت خاصکر ازواج نبی کریم صلی اللہ علیہ سلم کے حق میں نازل ہوئی۔ اور عکرمہ نے کہا کہ اس بارے میں اگر کوئی مجھ سے مباہلہ کرنا چاہے تو میں اسکے ساتھ مباہلہ کرنے کو تیار ہوں پس اگر ان آثار کا یہ مطلب ہے کہ اس آیت کریمہ کا باعث نزول خاصکر ازواج مطہرات ہیں تو صحیح ہے اور اگر مدعا یہ ہے کہ اس سے فقط ازواج مطہرات ہی مراد

Digitized by Khilafat Library Rabwah

ہیں تو بات محل نظر ہے اسلئے کہ مراد کے عام ہونے میں کئی حدیثیں وارد ہوئی ہیں" اسکے بعد تفسیر مذکور میں وہ حدیثیں نقل کی گئی ہیں۔

پہلی حدیث امام احمدؒ نے باسناد انس بن مالکؓ سے روایت کی ہے (خلاصہ اسکا یہ ہے) کہ رسول اللہؐ چھ مہینہ کے عرصہ تک جب صبح کی نماز پڑھنے کے واسطے نکلتے تو حضرت فاطمہؓ کے دروازہ پر سے گذرتے فرماتے الصلوٰۃ یا اھل البیت انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا۔ اس حدیث کو ترمذی نے دوسری سند سے روایت کیا ہے اور کہا یہ حدیث حسن غریب ہے

جرح از مضمون نگار۔ (۱) یہ روایت از قسم احاد ہے۔ اسلئے عقائد میں حجّت نہیں ہو سکتی۔ (۲) اس روایت کا اگر یہ مطلب ہے کہ علاوہ ازواج مطہرات کے حضرت فاطمہؓ وغیرہا بھی حکم آیت تطہیر میں داخل ہیں تو سُنّیوں کو اس سے انکار نہیں مگر شیعوں کو یہ بات کچھ مفید نہیں (۳) اگر روایت کے معنی یہ لئے جائیں کہ ازواج مطہرات آیت تطہیر میں داخل نہیں ہیں بلکہ صرف حضرات علی و فاطمہ و حسنین رضؓ داخل ہیں تو یہ روایت قرآن کریم کے مخالف ہونے کی وجہ سے ردّ کی جائیگی کیونکہ انما یرد خبر الواحد من معارضۃ الکتاب۔ نیز قرآن کریم میں ہے فبای حدیث بعدہ یؤمنون۔

دوسری حدیث ابن جریر نے باسناد وکیع روایت کی ہے۔ مضمون وہی ہے جیسا پہلی روایت کا ہے فرق یہ ہے کہ اس روایت میں بجائے چھ مہینہ کے سات مہینہ درج ہیں اور مفسر نے لکھا ہے کہ "اسکی سند میں ابو داؤد اعمٰی جس کا نام نفیع بن حرث ہے کذاب ہے" پس یہ روایت قابل اعتبار نہیں۔

تیسری روایت امام احمدؒ نے باسناد محمدؐ بن مصعب اوزاعی۔ شداد بن عمار سے روایت کی ہے۔ ابن شداد بن عمار کا بیان ہے کہ مجھ سے واثلہ بن الاسقع رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں حضرت فاطمہؓ کی خدمت میں گیا اور اُن سے پوچھا کہ حضرت علیؓ کہاں ہیں انہوں نے فرمایا کہ وہ رسول اللہؐ کی خدمت میں گئے ہیں میں انکے انتظار میں بیٹھ گیا اس اثناء میں رسول اللہؐ تشریف لائے اور حضرت علیؓ اور حسنینؓ اُنکے ساتھ تھے جب آپ گھر میں داخل ہوئے تو آپؐ نے حضرت علیؓ۔ فاطمہؓ اور حسنینؓ کو ایک کملی سے لپیٹ لیا پھر آیت تطہیر پڑھی اور فرمایا اللّٰھم ھؤلاء اھل بیتی احق = جرح۔ اس روایت کے شروع میں لکھا ہے کہ شداد بن عمار کہتے ہیں کہ واثلہؓ کے پاس کچھ لوگ بیٹھے تھے اور لوگوں نے حضرت علیؓ کو گالیاں دیں میں نے بھی ان لوگوں کے ساتھ حضرت علیؓ کو گالیاں دیں پس شداد بن عمار جو کملی کے واقعہ کو حضرت علیؓ کے گھر میں ہونا بیان کرتے ہیں اور اھل بیتی کے ساتھ لفظ احق بھی اضافہ فرماتے ہیں میری رائے میں یہ سب کچھ اُن گالیوں کا بدلہ ہے جو آپ نے حضرت علیؓ کو دی تھیں

Digitized by Khilafat Library Rabwah

کیونکہ حضرت ام سلمہؓ کی روایتوں میں کملی کا واقعہ خود حضرت ام سلمہؓ کے گھر میں ہونا بیان کیا گیا ہے علاوہ بریں مفسر لکھتا ہے کہ اس حدیث کو ابو جعفر بن جریر نے ۔۔۔۔ ابو عمار اوزاعی سے بسند مذکور روایت کیا ہے مگر اسکے آخر میں اتنا زیادہ ہے کہ واثلہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اسوقت میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں بھی آپکے اہل سے ہوں آپنے جواب دیا تو بھی میرے اہل سے ہے" پس شیعوں کا دعویٰ اس فقرہ سے باطل ہو گیا۔ پھر حدیث کو عبدالاعلیٰ بن واصل نے باسناد فضل بن دکین شداد بن عمار سے روایت کیا ہے اس میں شداد نے واثلہؓ کی روایت اس طرح بیان کی ہے کہ واثلہؓ کہتے ہیں میں آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر تھا کہ اچانک حضرت علیؓ۔ فاطمہؓ حسنینؓ آپکے پاس آئے حضرتؐ نے کملی اُنکے اوپر ڈالدی اور فرمایا اللّٰھمّ ھٰؤلاء اھل بیتی اللّٰھمّ اذھب عنھم الرجس وطھّرھم تطھیراً۔ ظاہر ہے کہ شداد بن عمار کی یہ روایت پہلی روایت سے بہت مختلف ہے۔ مکان دوسرا ہے الفاظ دوسرے ہیں۔ پہلی روایت میں واثلہؓ جناب علیؓ کی تلاش میں اُنکے مکان پر گئے حضرت فاطمہؓ نے کہا کہ وہ رسول خداؐ کے پاس گئے ہیں تو واثلہؓ اُنکے انتظار میں وہیں بیٹھے رہے اور اس روایت سے ظاہر ہے کہ واثلہؓ آنحضرتؐ کی خدمت مبارک میں حاضر تھے کہ حضرت علیؓ فاطمہؓ و حسنینؓ اچانک آ گئے پس یہ روایت بھی شداد بن عمار کے تقیہ کا نتیجہ معلوم ہوتی ہے۔

ع۴۔ چوتھی حدیث امام احمد نے حضرت ام سلمہ سے روایت کی ہے۔ اس میں کملی کا قصہ ہے اور بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرتؐ اپنی خوابگاہ میں ایک خیبری کملی نیچے بچھا کر بیٹھے تھے اور ام سلمہ کہتی ہیں کہ میں حجرہ میں نماز پڑھ رہی تھی اللہ عزّ و جل نے یہ آیت اُتاری انما یرید اللہ لیذھب الخ حضرتؐ نے اسی کملی کا جسپر بیٹھے تھے فاضل حصہ لیکر حضرت علیؓ فاطمہؓ و حسنینؓ کو اس میں لپیٹ کر اپنے ہاتھ کو اُس میں سے نکالکر آسمان کی طرف اُٹھا کر فرمایا اللّٰھمّ ھٰؤلاء اھل بیتی الخ حضرت ام سلمہؓ کہتی ہیں کہ میں نے اپنے سر کو اس کملی میں داخل کر کے کہا یا رسول اللہؐ میں بھی آپکے ساتھ ہوں آپؐ نے فرمایا انّک الیٰ خیرٍ انت الیٰ خیر۔ جرح۔ مفسر صاحب لکھتے ہیں کہ اس حدیث کی سند میں ایک راوی شیخ عطا نامعلوم ہے" پس کیا تعجب ہے کہ یہ اُسی راوی کی جدت طرازی ہو۔ مفسر نے لکھا ہے کہ اس روایت کو ابن جریر نے ایک اور طریق سے روایت کیا ہے اُسمیں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب رسول خداؐ نے علیؓ و فاطمہؓ و حسنینؓ کو آتے دیکھا تو " آپنے بستر کی طرف ہاتھ بڑھا کر ایک کملی کو کھینچ لیا اور اسکو بچھا کر اسپر اُنکو بٹھا دیا پھر آپؐ نے اپنے بائیں ہاتھ سے اسکے چاروں کونوں کو پکڑ کر اُن کے سر پر جوڑ دیئے اور اپنا داہنا ہاتھ اپنے پروردگار کی طرف اُٹھا کر فرمایا اللّٰھمّ ھٰؤلاء اھل بیتی۔ جرح۔ امام احمد کی حدیث نمبر ۲ میں

Digitized by Khilafat Library Rabwah

یہ مذکور ہے کہ آیت (زیر بحث) کے اترنے کے بعد کملی کا فاضل حصہ حضرت علیؓ وغیرہ پر لپیٹا گیا اور دعا مانگی گئی۔ پس اذا تعارضا تساقطا کے مطابق دونو حدیثیں پایہ اعتبار سے ساقط ہیں۔ پھر حدیث زیر بحث میں حضرت ام سلمہؓ کا یہ بیان بھی درج ہے کہ میں نے عرض کیا تھا کہ یا رسول اللہؐ میں بھی آپکے ساتھ ہوں۔ آپؐ نے جواب دیا انک علی خیر اور امام احمدؒ کی روایت میں ہے انک الی خیر و انت الی خیر۔ پس الفاظ روایت میں ہی اختلاف ہے۔ پھر مفسرؒ صاحب کا بیان ہے کہ اسی حدیث کو امام احمدؒ نے ایک اور وجہ سے بیان کیا ہے۔ خلاصہ اسکا یہ ہے کہ ام سلمہ نے کہا کہ ایکدن حضرتؐ میرے گھر میں تشریف رکھتے تھے خادم نے آکر عرض کیا کہ فاطمہؓ اور علیؓ باہر کھڑے ہیں تو رسول اللہ صلعم نے مجھ کو فرمایا کہ اُٹھ کھڑی ہو اور میرے اہلبیت سے برکنار ہوجا۔ میں اُٹھکر قریب ہی ایک کونے میں بیٹھ گئی۔ جرح۔ حدیث نمبر ۸ میں ہے کہ حضرت ام سلمہؓ حجرہ میں نماز پڑھتی تھیں اور جب آپؐ نے ان کو کملی میں داخل کیا تو کہا کہ یا رسول اللہؐ میں بھی آپکے ساتھ ہوں تو آپؐ نے فرمایا انک الی خیر انت الی خیر اور حدیث زیر بحث میں ہے کہ جب خادم نے حضرت علیؓ و فاطمہؓ کی آمد کی اطلاع آنحضرتؐ کو دی تو آپؐ نے حضرت ام سلمہؓ سے فرمایا کہ اُٹھ کھڑی ہو میرے اہلبیت سے برکنار ہوجا پھر آپؐ نے ان سب پر ایک کالا کپڑا اڈالدیا۔ یہاں کملی کا نام نہیں لیا گیا۔ پھر فرمایا اللّٰھم الیاک لا الی النار انا و اھلی۔ آیت تطہیر کا کچھ ذکر نہیں۔ مگر اس روایت کے اخیر ام سلمہ کا یہ بیان درج ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں بھی آپکے ساتھ ہوں آپنے فرمایا تو بھی۔ پھر نامعلوم حضرتؐ نے ام سلمہؓ سے پہلے کیوں کہا تھا کہ تُو میرے اہلبیت سے برکنار ہوجا۔ پھر مفسرؒ کہتا ہے کہ ابن جریر نے اس حدیث کو ایک اور طریق سے ام المومنین حضرت ام سلمہؓ سے ہی بیان کیا ہے۔ (خلاصہ اسکا یہ ہے) کہ حضرت ام سلمہؓ نے فرمایا کہ آیت انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا میرے گھر میں نازل ہوئی اور اسوقت میں گھر کے دروازہ پر بیٹھی تھی۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ کیا میں اہلبیت سے نہیں ہوں آپؐ نے فرمایا تُو اس سے بہتر کی طرف (پہنچی ہوئی) ہے تو ازواج نبیؐ سے ہے۔ جرح: اس روایت میں یہ بھی لکھا ہے کہ نزول آیت کے موقع پر گھر کے اندر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی مرتضیٰؓ اور فاطمہؓ (الزہرا) اور حسنین رضی اللہ عنہم موجود تھے۔ اور بعینہ اسی طرح ایک اور طریق سے بھی اس حدیث کو ابن جریر نے روایت کیا ہے۔ پھر ایک اور طریق سے اس طرح بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلعم نے (حضرت) فاطمہؓ اور علیؓ اور حسنین رضی اللہ عنہم کو جمع کر کے ایک کپڑے کے نیچے داخل کر دیا اور اللہ عزّ وجل سے دعا مانگی پھر فرمایا ھؤلاء اھل بیتی ام المومنین حضرت ام سلمہؓ کہتی ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ مجھے بھی انکے ساتھ شامل فرمائیے آپؐ نے فرمایا۔ تم بھی میرے اہل سے ہو۔ (باقی آئندہ)

Digitized by Khilafat Library Rabwah

عصمتِ انبیاءؑ

(نمبر۲)

الا بابی من کان ملکاً و سیداً ٭ و آدم بین الماء و الطین واقف
فذاک الرسول الابطحی محمدؐ ٭ لہ فی العلیٰ مجد تلید و طارف

دوسری آیت جس کو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عدم معصومیت پر بطور ایک زبردست دلیل کے پیش کیا جاتا ہے۔ یہ ہے۔ انا فتحنا لک فتحاً مبیناً لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک وما تأخر۔ ویستدل علی نحوین :-

۱۔ لفظ مغفرت گناہ کا مقتضی ہے یعنی لفظ مغفرت اُسی موقع پر استعمال ہوتا ہے۔ جہاں صدور گناہ متحقق ہو چکا ہو جیسے کہ غافر الذنب وقابل التوب شدید العقاب الآیہ اور ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ ویغفر ما دون ذلک لمن یشاء۔ وغیرہما آیات کثیرہ سے ظاہر و باہر ہے اور چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں اللہ تعالیٰ نے لفظ یغفر استعمال فرمایا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی مختلف گناہوں کے مرتکب ہوئے ٭ (نعوذ باللہ)

۲۔ لفظ ذنب ہے۔ لُغت میں صریح لکھا ہے۔ الذنب۔ الجرم جمع ذنوب وذنوبات۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں اس لفظ کا استعمال اس بات کا بیّن ثبوت ہے۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم۔ مذنب تھے

اگر اس آیۃ کا کچھ اور مطلب بھی نکل سکتا تو ضرور اس کو علماء محققین و فضلاء مدققین جنہوں نے تفسیر قرآن میں کمال کر دکھایا ہے۔ اپنی تحریروں میں قلمبند فرماتے۔ اسلئے ہم اگر ان تفاسیر و تراجم کا خلاصہ ان الفاظ میں بیان کریں کہ ”ہم نے تجھے بیّن اور کُھلی کُھلی فتح عطا کی ہے تا اللہ تعالیٰ تیرے اگلے اور پچھلے گناہوں کو بخشدے،، تو اُنکے منشاء کے مطابق ہوگا۔ پس بجائے اسکے کہ اس آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عصمت پر زور دیا جاتا اور یہ ثابت کیا جاتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم معصوم ہیں یہاں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اگلے اور پچھلے گناہوں کا راز فاش کردیا گیا ہے۔ جیسے ما تقدم من ذنبک وما تأخر سے عیاں ہے ٭

اب یہ سوال کہ اس آیت سے قبل اور بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کتنے اور کون کون سے گناہوں کے مرتکب ہوئے اس سے ہمیں کوئی سروکار نہیں ہماری غرض اس سے صرف عدم معصومیتِ محمدؐ کو ثابت کرنا تھا فقط فھو مما لا یخفیٰ ٭

Digitized by Khilafat Library Rabwah

الجواب:۔ معترض کا پہلا استدلال لفظ مغفرت سے ہے کہ "لفظ مغفرت گناہ کا مقتضی ہے یعنی یہ لفظ اُسی موقع پر استعمال ہوتا ہے جہاں صدور گناہ متحقق ہو چکا ہو" اس استدلال کی بنیاد ہی غلط ہے کیونکہ لفظِ مغفرت کا ہرگز یہ مقتضا نہیں ہے کہ گناہ کا ارتکاب بھی ضرور ہو ماناکہ وہ تحقق وجود ذنب کے موقع پر بھی استعمال ہوتا ہے۔ لیکن یہ کہنا کہ تحقق ذنب اور مغفرت لازم و ملزوم ہیں یہ قطعاً غلط ہے۔ (اسکے متعلق لُغوی بحث کو مَیں کسی اور موقع کے لئے اُٹھا رکھتا ہوں) اس وقت صرف ایک مثال پیش کرتا ہوں جس سے ثابت ہو جائیگا کہ میرا اِس استدلال کو غلط ٹھیرانا دعویٰ بے دلیل نہیں۔ بلکہ ثابت و محقق ہے۔

یہ مسلّمہ و متفق علیہ مسئلہ ہے کہ اہلِ جنّت معصوم ہیں اور جنّت میں ہوتے ہوئے ان سے کسی گناہ کا سرزد ہونا ناممکن ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ لا یسمعون فیھا لغواً ولا تأثیماً الاّ قیلاً سلاماً سلاماً جنّت میں انپر سلام قولاً من ربٍ رحیم نگہبان ہوگا ہر لغو اور بیہودہ امر سے وہ محفوظ رہینگے۔ اور وہ لغو و تاثیم کو کرنا تو کجا سُنیں گے بھی نہیں۔ پھر فرمایا دعواھم فیھا سبحٰنک اللّٰھم وتحیتھم فیھا سلامٌ واٰخر دعواھم ان الحمدُ لِلّٰہ ربّ العٰلمین کہ جنّت میں انکا کام فقط تسبیح و تحمید ہوگا جنّت اور گناہ؟ ان کو آپسمیں کسی قسم کی مناسبت ہی نہیں یہ دو تو متضاد باتیں ہیں کہ ایک شخص جنّت میں بھی ہو اور گناہ کا ارتکاب بھی اُس سے ہو رہا ہو

نیز جب اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں جو سجن المؤمن اور جنۃ الکافر کی مصداق ہے جس میں کسی مومن کو اُسکے ایمان کا ایسا حقیقی اور کامل جزا حاصل نہیں ہو سکتا جیسا کہ جنّت میں حاصل ہوگا اور وہ ان نعم و آلاء کو جو خدا نے اس کے لئے اسکے ایمان کے عوض جنّت میں طیار کر رکھی ہیں وہم و گمان میں بھی نہیں لا سکتا جیسا کہ اعددت لعبادی الصالحین مالا عین رأت ولا اُذن سمعت وما خطر علےٰ قلب بشر (الحدیث القدسی) سے ظاہر ہے بلکہ بجائے اُنکے سخت سے سخت مشکلات کو برداشت کرتا ہے۔ اور انکے دُکھ و درد کیوجہ سے اللہ تعالیٰ کی طرف ہی رجوع کرتا ہے اور ان سے مخلصی پانیکی درخواست کرتا رہتا ہے بعض مومنوں کو اس منصب جلیل پر سرفراز فرمایا ہے۔ کہ ولٰکن اللّٰہ حبّب الیکم الایمان وزیّنہ فی قلوبکم وکرّہ الیکم الکفر والفسوق والعصیان یعنی تمھیں ایمان ہی محبوب ہے اور وہی تمھیں بھلا معلوم ہوتا ہے۔ کفر و فسق و عصیان سے تمھیں دلی نفرت ہے تو بتاؤ کہ وہ لوگ جو ما تشتھی الانفس کے مناظر کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر رہے ہوں اور تلذّ الاعین کی حقیقی خوشی ان کے دلوں کو گدگدا رہی ہو اور وہ فضل الٰہی سے ناضرۃ الیٰ ربھا ناظرۃ کے بلند اور نہایت خوبصورت قصور میں جلوہ افروز ہوں

Digitized by Khilafat Library Rabwah

اور پھر سلاماً سلاماً کی سریلی اور خوش کن آوازیں اور انکی دلکش ادائیں انکے رگ و ریشہ میں بجلی کا اثر دکھا رہی ہوں اور ناعمۃ لسعیہا راضیۃ کا پھل مزا لے لیکر کھا رہے ہوں کیا انکے متعلق ایک لحظ کے لئے بھی ہم یہ خیال کر سکتے ہیں کہ وہ اپنے حقیقی مولیٰ کی نافرمانی اور معصیت میں لذت اٹھائینگے حاشا و کلا۔ اس مختصر بیان سے معلوم ہو گیا کہ اہل جنت بے شک معصوم ہیں اور وہ جنت میں رہ کر کسی قسم کی معصیت کے مرتکب نہیں ہو سکتے۔ لیکن باوجود اس کے وہی معصوم اپنے رب سے بایں الفاظ دست بدعا ہیں ربنا اتمم لنا نورنا واغفر لنا اے ہمارے رب ہمیں کامل نور عطا فرما اور ہماری بخشش کر۔ دیکھو اگر مغفرت کا لفظ اس بات کا مقتضی ہوتا کہ وجود ذنب بھی متحقق ہو تو بتاؤ کہ اہل جنت کونسے اللہ تعالیٰ کی معصیتوں میں مبتلا ہیں وہ تو معصوم ہیں معصوم ہوتے ہوئے بایں الفاظ دعا مانگنا اس بات کی صریح دلیل ہے۔ کہ لفظ مغفرت ہرگز ہرگز اس بات کا مقتضی نہیں کہ اس سے پہلے ذنوب کا تحقق بھی ہو۔ پس معترض کا پہلا استدلال باطل ہوا۔ کیونکہ اس میں دوسرے معنی کا بھی احتمال ثابت ہو گیا اور یہ قاعدہ ہے۔ اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال ؛

۲۔ دوسرا استدلال لفظ ذنب سے کیا گیا ہے۔ بے شک لفظ ذنب کے معنی جرم اور گناہ کے بھی ہیں لیکن یہ کہنا کہ گناہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سرزد ہوا یہ غلطی ہے۔ اگر اس غلطی کو تسلیم نہ کیا جائے تو اس پر دو زبردست اعتراض واقع ہوتے ہیں:۔

ا۔ اگر ذنب سے مراد وہی ذنب ہے جسکے معنی جرم اور گناہ کے ہیں۔ تو اس ذنب کی مغفرت اور فتح کو آپس میں کیا تعلق؟ ذنب دو طرح سے معاف کیا جا سکتا ہے۔ اول۔ سزا دیکر مجرم کو رہا کر دیا جائے۔ دوم۔ بغیر کسی سزا دہی کے مجرم کو معاف کر دیا جائے۔ یہاں دونو پہلوؤں میں سے ایک کو بھی اختیار نہیں کیا گیا۔ بلکہ سبب مغفرت جو بتلایا گیا ہے۔ وہ فتح مبین ہے پس مغفرت الذنب اور فتح کا آپسمیں کیا جوڑ؟

ب۔ بفرض محال ہم تھوڑی دیر کے لئے تسلیم کر لیتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کوئی گناہ کیا وہ تو جملہ ما تقدم میں آ گیا لیکن جملہ ما تأخر کی غایت وہ مقصود کیا ہے آپ کے قاعدہ کی رو سے تو مغفرت گناہ کے بعد ہوتی ہے ابھی ذنب مشتمل علیہ جملۂ ما تأخر تو وقوع میں نہیں آیا۔ پھر لیغفر لك .... ما تأخر کے کیا معنی؟

اب میں وہ معنی بتاتا ہوں جن پر کسی قسم کا اعتراض وارد نہیں ہو سکتا اور نہ ہی کوئی شُبہ لازم

Digitized by Khilafat Library Rabwah

آتا ہے۔ اور میں مناسب سمجھتا ہوں کہ ان معانی کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الفاظ میں ہی احباب کے گوش گذار کروں۔ تا احباب کو معلوم ہو کہ حضرت مسیح موعودؑ کا وجود باجود کیسی کیسی عظیم الشان برکات کا متحمل تھا۔ اور کیسے کیسے معارف کا گنجینہ تھا حضورؑ اس آیت شریفہ کی تفسیر کرتے ہوئے براہین احمدیہ حصہ پنجم کے صفحہ ۷۵ و ۷۶ پر یُوں رقمطراز ہیں:۔

"اس جگہ اس وحی الٰہی کے متعلق ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ فتح کو گناہ کے بخشنے سے کیا تعلق ہے بظاہر ان دونو فقروں کو آپسمیں کچھ جوڑ نہیں لیکن درحقیقت ان دونو فقروں کا باہم نہایت درجہ کا تعلق ہے پس تشریح اس وحی الٰہی کی یہ ہے کہ اندھی دنیا میں جسقدر خدا کے ماموروں اور نبیوں اور رسولوں کی نسبت نکتہ چینیاں ہوتی ہیں اور جس قدر ان کی شان اور اعمال کی نسبت اعتراض ہوتے ہیں اور بدگمانیاں ہوتی ہیں اور طرح طرح کی باتیں کی جاتی ہیں وہ دنیا میں کسی کی نسبت نہیں ہوتیں اور خدا نے ایسا ہی ارادہ کیا ہے تا انکو بدبخت لوگوں کی نظر سے مخفی رکھے (واقعی انبیاءؑ کی حالت اس شعر کی مصداق ہوتی ہے

واذا خفیتُ علی الشّقی فعاذر ✤ ان لاّ ترانی مُقلَۃٌ عمیاءُ

یعنی اگر میں بدبخت لوگوں پر مخفی ہوں تو وہ بیچارے معذور ہیں کیونکہ اندھی آنکھ تو کسی چیز کو بھی نہیں دیکھ سکتی۔ گویا ہر نبی کی زبان حال یہی پکارتی ہے۔ خاکسار ناقل) اور وہ انکی نظر میں جائے اعتراض ٹھیر جائیں کیونکہ وہ ایک دولتِ عظمیٰ ہیں اور دولتِ عظمیٰ کو نااہلوں سے پوشیدہ رکھنا بہتر ہے اسی وجہ سے خدا تعالیٰ انکو جو شقی ازلی ہیں اس برگزیدہ گروہ کی نسبت طرح طرح کے شبہات میں ڈال دیتا ہے۔ تا وہ دولتِ قبول سے محروم رہ جائیں یہ سُنّت اللہ ان لوگوں کی نسبت جاری ہے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے امام اور رسول اور نبی ہو کر آتے ہیں۔۔۔۔ کونسی تہمت ہے جو اُن پر نہیں لگائی گئی اور کونسی نکتہ چینی ہے جو انپر نہیں کی گئی پس چونکہ تمام تہمتوں کا معقولی طور پر جواب دینا ایک نظری امر تھا اور نظری امور کا فیصلہ مشکل ہوتا ہے۔ اور تاریک طبع لوگ اس سے تسلّی نہیں پکڑتے اسلئے خدا تعالیٰ نے نظری راہ کو اختیار نہیں کیا اور نشانوں کی راہ اختیار کی اور اپنے نبیوں کی بریت کے لئے اپنے تائیدی نشانوں اور عظیم الشان نصرتوں کو کافی سمجھا کیونکہ ہر ایک غبی اور پلید بھی آسانی سمجھ سکتا ہے کہ اگر وہ نعوذ باللہ ایسے ہی نفسانی آدمی اور مفتری اور ناپاک طبع ہوتے تو ممکن نہ تھا کہ انکی نصرت کیلئے ایسے بڑے بڑے نشان دکھلائے جاتے ...... اور

Digitized by Khilafat Library Rabwah

ذنب کا لفظ اس اعتبار سے بولا گیا ہے کہ معترض اور نکتہ چین جو حملہ کرتے ہیں وہ اپنے دلوں میں مرسلین کی نسبت ان نکتہ چینیوں کو ایک ذنب قرار دیکر حملہ کرتے ہیں۔ پس اسکے معنی یہ ہوئے کہ جو ذنب تیری طرف منسوب کیا گیا ہے نہ یہ کہ حقیقت میں کوئی ذنب ہے.... بلکہ جو کچھ ذنب کے نام پر اُن کی طرف منسوب کیا گیا اور اُسکو شہرت دی گئی اس غلط شہرت کو ایک عظیم الشان نشان سے ڈھانپ دیا جاویگا نادان لوگ نہیں جانتے کہ کن معنوں سے خدا اپنے بندوں کی طرف ذنب یعنی گناہ کو منسوب کرتا ہے کیونکہ حقیقی گناہ جو نافرمانی خدا تعالیٰ کی ہے وہ تو قبل از توبہ قابل سزا ہے نہ یہ کہ خدا تعالیٰ کو خود ہی اس بات کی فکر پڑ جائے کہ میں کوئی ایسا نشان دکھلاؤں کہ تا وہ نکتہ چینی کے خیالات عیب جوئی کے توہمات خود بخود مخفی و مستور ہو جاویں اور انکا ذکر کرنے والا ذلیل ہو جائے"

پس کیسے صاف اور واضح معنی ہیں جو قرآن کریم کے مطابق ہیں سیدنا و مولانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شایانِ شان ہیں کسی قسم کا اعتراض وارد نہیں ہو سکتا۔ فسبحان من انزل هٰذا الکتاب و الیه المرجع و المآب وهو الذی یعطی الاجر بغیر حساب ویعطی الحکمة من الیه اناب۔ ومن یؤتی الحکمة فقد أوتی خیراً کثیراً صلی الله علیه و علی المسیح الموعود و علی غیرهما من الانبیاء۔

خاکسار ناچیز محمد صادق احمدی کنجاہی جامعہ احمدیہ قادیان

چند ضروری و مفید رسالے

معارف القرآن ۸/ - براہین العقائد ۸/ - الاستخلاف ۴/ - کمالات احمدیہ ۶/ - مقصد مذہب ۳/
التشریح الصحیح ۶/ - مباحثہ سرگودہ ۶/ - پیغام حق ۲/ - مجمع البحرین (اردو) ۴/ - اسلام کی اندرونی
اسلامی قادر مطلق خدا اور آریہ سرو شکتیمان } ۳/ - بانی آریہ سماج کے اقوال میں تناقض ۱/ - تصویر ۱/
مسیح موعودؑ اور امت محمدیہ ۱/ - بطلان مسئلہ قدامت روح و مادہ دلائل عقلیہ و نقلیہ ۱/
ذبیحہ گائے اور ہندوؤں کے وید شاستر ۱/
آریہ سماجی اور گاندھی جی ۱/ - تبلیغ سوراج اور اسکے واقعات قابل اندراج ۱/ - چند کار آمد حوالے ہم اول و دوم ۱/
کفارہ ۱/ - انجمن تائید اسلام کے رسالہ کا جواب ۱/ - عالمگیر مذہب دینیہ معیار) ۱/

Digitized by Khilafat Library Rabwah

راجپال کے قتل کا واقعہ

یہ وہی شخص ہے جس نے ایک نہایت ہی دلآزار کتاب شائع کی۔ اور ماتحت عدالتوں سے سزایاب ہونیکے بعد عدالت عالیہ کے ایک جج نے یہ کہکر اسے بری کر دیا تھا۔ کہ موجودہ قانون اسکے لئے کوئی سزا تجویز نہیں کرتا۔ اسکے قتل کے شبہ میں ایک مسلمان پکڑا بھی گیا ہے۔ اور اسپر مقدمہ چل رہا ہے۔ گورنمنٹ کا بھی یہی قانون ہے۔ اور عقل بھی یہی کہتی ہے کہ جبتک کسی کا جرم ثابت نہ ہو۔ اسے قاتل کہنا گناہ ہے۔ بہرحال قتل ہوا ہے۔ اور قتل کرنیوالا کوئی ضرور ہے اس سے انکار نہیں ہو سکتا پہلے بھی دو دفعہ اسپر حملہ ہوا تھا۔ اور یہ واقعہ اپنی قسم کا پہلا واقعہ نہیں۔ اس سے پہلے کئی بار مسلمانوں پر ہندوؤں نے حملے کیے۔ اور قتل و خونریزی تک نوبت پہنچائی۔ پچھلے ہی دنوں لاہور میں نہتے مسلمانوں پر جبکہ وہ نماز پڑھ کر مسجد سے نکل رہے تھے ہندوؤں نے حملہ کر دیا جس سے غالباً ۴۔ ۵ آدمی مارے گئے۔ اور کئی مجروح ہوئے۔ اسی طرح کئی مقامات پر مسلمانوں پر ہندوؤں نے حملے کیے۔ ملتان۔ کٹارپور۔ آرہ۔ بہار۔ بنگال۔ مالابار۔ دہلی۔ ضلع گوڑگانواں ضلع انبالہ کے واقعات بتا رہے ہیں کہ ہمارے ملک کے لوگ مذہب کی حقیقت سے ناواقف ہیں۔ رسولوں کے دنیا میں آنے اور سچّے مذہب کی غرض اگر کوئی ہو سکتی ہے تو یہی کہ انسان کو جرم کے ارتکاب سے پہلے روکا جائے۔ گورنمنٹ کا قانون مجرم کو ارتکاب جرم کے بعد پکڑ کر سزا دیتا ہے۔ لیکن مذہب کا کام یہ ہے کہ ارتکاب سے پہلے روکے۔ اور جو مذہب ارتکاب جرم سے روک نہیں سکتا۔ اسکا کوئی فائدہ نہیں۔ رُوحانی اور دُنیاوی قانون میں یہی فرق ہے کہ رُوحانی شریعت جُرم کے پیدا ہونے سے پہلے روکتی ہے۔ لیکن دنیاوی قانون جُرم پیدا ہونیکے بعد مُجرم کو سزا دیکر اسکے متعدی ہونیکو روکتا ہے دونو کے علیحدہ علیحدہ کام ہیں۔ اگر جسمانی قانون بعد میں سزا نہیں دیتا تو وہ بھی ناقص ہے۔ اور اگر روحانی شریعت جرائم کو قلوب سے نکالنے کی کوشش نہیں کرتی۔ تو وہ بھی بے فائدہ ہے مذہب کی غرض انسان کے دل میں خشیت اللہ پیدا کرنا ہے۔ جو مذہب اس غرض کو پورا نہیں کرتا۔ وہ مذہب کہلانیکا ہرگز مستحق نہیں ہے۔ جو مذہب کبر۔ غرور۔ نخوت۔ تذلیل۔ تحقیر۔ توہین سے نہیں روکتا۔ وہ درحصل مذہب نہیں۔ بلکہ ایک بیماری ہے جسے جسقدر جلد دنیا سے مٹایا جاسکے۔ بہتر ہوگا۔ مذہب وہی کہلا سکتا ہے۔ جو کبر و غرور۔ نخوت و تذلیل۔ تحقیر۔ توہین اور فتنہ و فساد کی تمام راہوں کو بند کرتا ہے +

مَیں نہیں سمجھ سکتا۔ کہ ان حالات کو دیکھتے ہوئے جو آجکل رُونما ہو رہے ہیں۔ کوئی مذہبی یا سیاسی لیڈر یہ کہہ سکتا ہے کہ اس کا مذہب اپنے پاؤں پر کھڑا ہے۔ اور اسکے گرنے کا کوئی خدشہ نہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ جن قوموں میں دوسروں کی عزّت و آبرو کی حفاظت کی طرف توجہ نہیں ہوتی۔ ایسی قومیں اپنے ہاتھوں سے اپنی موت کے فیصلہ پر دستخط کرتی ہیں۔ اور جو شخص اپنی قوم کے ایسے افراد کی پیٹھ ٹھونکتا ہے اور ان کے لئے بہانے اور عذر تلاش کرتا ہے۔ وہ اپنی قوم کا بدترین دشمن ہے۔ نا روا افعال پر جتنا بھی اظہار مذمّت کیا جائے۔ اتنا ہی قومی خدمت ہے۔ جو مائیں محبّت سے اپنی

Digitized by Khilafat Library Rabwah

اولاد کے جرائم کو چھپاتی ہیں۔ وہ مائیں خیر خواہ نہیں۔ بلکہ اولاد کی دشمن ہوتی ہیں۔ ہمارے ملک میں ایک مشہور قصّہ ہے کسی عادی مُجرم کو جب پھانسی پر لٹکایا جانے لگا۔ تو اس نے ماں سے ملاقات کی خواہش کا اظہار کیا۔ اسپر اس خیال سے کہ بجائے کسی عمدہ کھانے یا کسی اور بات کے اس نے آخری وقت میں اپنی ماں سے ملنے کی خواہش کی۔ ان افسروں نے جو وہاں متعین تھے۔ خاص اثر محسوس کیا۔ اور اسکی ماں کو بُلایا گیا۔ جب وہ آئی۔ تو اس نے کہا۔ ذرا میرے قریب کردو۔ مَیں کان میں ایک بات کہنی چاہتا ہوں جب قریب کیا گیا۔ تو اس نے اپنی ماں کا کلّہ کاٹ لیا۔ لوگوں نے کہا کم بخت! تو اسوقت میں بھی ایسے فعل سے باز نہ آیا۔ جبکہ پھانسی پر لٹکنے لگا۔ اس نے کہا۔ مَیں پھانسی پر لٹکتا ہی اس ماں کی وجہ سے ہوں۔ بچپن میں جب مَیں چوری کیا کرتا تھا۔ تو یہ ماں میری پیٹھ ٹھونکا کرتی تھی۔ اگر یہ ایسا نہ کرتی۔ تو عادی چور ہو کر آج میں اس نتیجہ کو نہ پہنچتا۔ اسی طرح مجرموں کی خواہ اُنہوں نے ہتک انبیاءؑ کا جُرم کیا ہو۔ خواہ قتل کا۔ جو لیڈر پیٹھ ٹھونکتے ہیں۔ وہ مجرم ہیں۔ قاتل۔ ڈاکو۔ اور وہ خبیث الفطرت اور گندے جو انبیاءؑ کو گالیاں دیتے ہیں۔ ہرگز اس قابل نہیں کہ انکی تعریف کیجائے۔ انکی قوم اگر اپنے اندر دینداری۔ تقویٰ اور اخلاق رکھنے کی مُدّعی ہے تو اس کا فرض ہے کہ ایسے افعال کی پورے زور کے ساتھ مذمّت کرے۔ اسی طرح اس قوم کا جسکے جوشیلے آدمی قتل کرتے ہیں۔ خواہ انبیاءؑ کی توہین کی وجہ سے ہی وہ ایسا کریں۔ فرض ہے کہ پورے زور کے ساتھ ایسے لوگوں کو دبائے اور ان سے اظہار برأت کرے۔ انبیاءؑ کی عزّت کی حفاظت قانون شکنی سے نہیں ہو سکتی۔ وہ نبی بھی کیا نبی ہے جس کی عزّت کو بچانے کے لئے خون سے ہاتھ رنگنے پڑیں۔ جس کے بچانے کے لئے اپنا دین تباہ کرنا پڑے۔ یہ سمجھنا کہ محمد رسول اللہ صلعم کی عزّت کے لئے قتل کرنا جائز ہے سخت نادانی ہے کیا محمد رسول اللہؐ کی عزّت اتنی ہی ہے کہ ایک شخص کے خون سے اسکی ہتک دھوئی جاسکے۔ بعض نادان کہدیا کرتے ہیں۔ کہ محمد رسول اللہؐ کی ہتک کی سزا قتل ہے مَیں کہتا ہوں۔ تاریخ سے کوئی ایک مثال ہی ایسی پیش کی جائے۔ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ آلہ وسلّم کے زمانہ میں کسی ایک انسان کو بھی محض آپ کو بُرا کہنے کی وجہ سے قتل کیا گیا ہو۔ اور اس قتل میں کسی پولیٹیکل جُرم کا دخل نہ ہو۔ کوئی ثابت کرے کہ محض اس جُرم میں کبھی کوئی قتل کیا گیا۔ ہاں اگر کسی کے متعلّق یہ شبہ ہُوا۔ کہ وہ غیر قوموں کو مسلمانوں پر چڑھا لائیگا۔ اور سازشیں کر کے مسلمانوں کو نقصان پہنچائیگا۔ تو یہ اور بات ہے۔ صرف توہین رسولؐ کے جُرم میں کبھی کوئی ایک شخص بھی قتل نہیں کیا گیا۔ اگر ایسا کرنا جائز ہوتا۔ تو عبد اللہ بن ابی بن سلول کو کیوں زندہ چھوڑ دیا جاتا۔ جس نے علی الاعلان کہا تھا۔ کہ لیخرجن الاعزّ منہا الاذل کہ مَیں جو سب سے زیادہ معزز ہوں (نعوذ باللہ) سب سے زیادہ ذلیل یعنی رسول کریم صلی اللہ علیہ سلّم کو نکالدونگا۔ محمد رسول اللہؐ کے پاس ایسی باتوں کی اطلاع بھی پہنچ جاتی تھی۔ پھر صحابہؓ نے یہ بھی کہا۔ کہ اسکے ساتھیوں میں سے بعض کو قتل کر دیا جائے۔ لیکن رسول کریمؐ نے فرمایا۔ نہیں۔ لوگ کیا کہینگے کہ محمدؐ نے اپنے ساتھیوں کو قتل کر دیا۔ اگر قتل جائز ہوتا۔ تو وہ

Digitized by Khilafat Library Rabwah

منافق جو آخری وقت تک مسلمانوں میں موجود رہے۔ کس طرح زندہ رہ سکتے تھے۔ قرآن کریم میں صاف طور پر بیان ہے۔ کہ منافق لوگ۔ ہتک و تضحیک کرتے اور ٹھٹول بازی سے کام لیتے تھے۔ پس جب یہ ثابت ہے۔ کہ ہتک کی جاتی تھی۔ اور قرآن کریم سے یہ بھی ثابت ہے کہ بہت سی باتوں کا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو علم بھی دیا جاتا تھا۔ اور یہ بھی ثابت ہے۔ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے لوگوں کے نام بھی معلوم تھے۔ چنانچہ صحیح حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے لوگوں کے نام حذیفہ بن الیمان کو بھی بتائے حتیٰ کہ صحابہؓ کا طریق تھا۔ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جس شخص کا جنازہ پڑھنے سے حذیفہ رضؓ انکار کرتے۔ وہ بھی انکار کر دیتے۔ کیونکہ وہ جانتے تھے۔ کہ حذیفہ کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منافقین کے نام بتا دیئے تھے۔ اس سے معلوم ہوا۔ کہ نہ صرف یہ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی منافق موجود تھے بلکہ یہ بھی کہ آپ کی وفات کے بعد بھی تھے۔ لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری زندگی میں ایسے ایک شخص کو بھی قتل نہیں کیا گیا۔ سوائے ان کے جن پر کوئی پولیٹیکل جرم ثابت ہو چکا ہو۔ خالص تضحیک کرنے والا ایک شخص بھی قتل نہیں ہوا۔ اگر ایسے لوگوں کو قتل کر دینے کا حکم ہوتا۔ تو حذیفہ کو چاہیئے تھا۔ تمام مسلمانوں کو بتا دیتے کہ فلاں فلاں لوگ منافق ہیں۔ انہیں فوراً قتل کر دو۔ کیونکہ اپنی قوم کا ہتک کرنیوالا دوسروں سے بہت زیادہ مجرم ہوتا ہے۔ ایک مرتبہ ایک یہودی نے حضرت عمرؓ کے سامنے کہا۔ میں قسم کھاتا ہوں۔ موسیٰؑ کی جسے خدا نے سارے انسانوں پر فضیلت دی ہے۔ حضرت عمرؓ نے اسے مارا۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر پہنچی۔ تو آپ نے حضرت عمرؓ سے کہا۔ کہ کیوں مارا۔ ایسا نہیں چاہیئے تھا۔ یہ نہیں کہا۔ کہ تلوار کیوں نہ چلائی۔ غرض قتل پر آمادہ ہو جانے کا طریق غلط ہے۔ اور اس سے قوموں کے اخلاق تباہ ہو جاتے ہیں۔

پس میں مسلمانوں سے بھی اور ہندوؤں سے بھی درخواست کرتا ہوں۔ کہ وہ عاجل باتوں کی طرف نہ جائیں۔ مسلمانوں کو یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ چاند پر تھوکنے سے اپنے ہی مُنہ پر آکر تھوک پڑتا ہے۔ مخالف خواہ کتنی ہی کوشش کریں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کو گرد و غبار سے نہیں چھپا سکتے۔ اس نور کی شعاعیں دُور دُور پھیل رہی ہیں۔ تم یہ مت خیال کرو۔ کہ کسی کے چھپانے سے یہ چھپ سکیگا۔ ایک دنیا اسلام کی معتقد ہو رہی ہے۔ پادریوں کی بڑی بڑی سوسائٹیوں نے اعتراف کیا ہے۔ کہ ہمیں سب سے زیادہ خطرہ اسلام سے ہے۔ کیونکہ اسلام کی سوشل تعلیم کی خوبیوں کے مقابلہ میں اور کوئی مذہب نہیں ٹھیر سکتا۔ اسلام کا تمدن یورپ کو کھائے چلا جا رہا ہے اور بڑے بڑے متعصب لوگ اسلام کی طرف مائل ہو رہے ہیں جو شخص یہ خیال کرتا ہے کہ اسلام کو گالی دینے سے اسلام کی ہتک ہو گی۔ وہ اگر عیسائی ہے تو عیسائی مذہب کا دشمن ہے اگر سکھ ہے تو سکھ مذہب کا دشمن ہے۔ اور اگر ہندو ہے تو ہندو دھرم کا دشمن۔ ہتک تو در اصل گالی دینے والے کی ہوتی ہے۔ جیسے

Digitized by Khilafat Library Rabwah

گالی دی جائے اس کی کیا ہتک ہوگی۔ ہتک تو اخلاق کی بنا پر ہوتی ہے۔ اگر کوئی شخص مجھے گالیاں دیتا ہے تو وہ اپنی بداخلاقی کا اظہار کرتا ہے اور اس طرح خود اپنی ہتک کرتا ہے۔ مَیں گالیاں سنتا ہوں اور برداشت کرتا ہوں تو اپنے بلند اخلاق کا اظہار کرتا ہوں جو میری عزت ہے۔ وہ مذہبی لیڈر جنہوں نے قوموں کی ترقی کے لئے کام کیا۔ خواہ کسی بڑے طبقہ میں یا ایک بہت ہی محدود طبقہ میں کیا ہو۔ وہ قابل عزت ہیں اور انسانی فطرت کا تقاضا یہی ہے۔ کہ ان کی عزت کی جائے۔ جو قوم ایسا نہ کرنیوالوں کی مدد کرتی ہے وہ خود اپنی تباہی کا سامان پیدا کرتی ہے اسی طرح وہ لوگ جو قانون کو ہاتھ میں لے لیتے ہیں وہ بھی مجرم ہیں اور اپنی قوم کے دشمن ہیں اور جو انکی پیٹھ ٹھونکتا ہے۔ وہ بھی قوم کا دشمن ہے ؞

میرے نزدیک تو اگر یہی شخص قاتل ہے جو گرفتار ہوا ہے تو اسکا سب سے بڑا خیر خواہ وہی ہو سکتا ہے۔ جو اس کے پاس جائے۔ اور اسے سمجھائے کہ دنیاوی سزا تو تمہیں اب ملیگی ہی۔ لیکن قبل اسکے کہ وہ ملے۔ تمہیں چاہیئے خدا سے صلح کرلو۔ اس کی خیر خواہی اسی میں ہے۔ کہ اسے بتایا جائے تم سے غلطی ہوئی۔ ہم تمہارے جرم کو کم تو نہیں کر سکتے لیکن بوجہ اسکے کہ تم ہمارے بھائی ہو تمہیں مشورہ دیتے ہیں کہ توبہ کرو گریہ وزاری کرو اور خدا کے حضور گڑگڑاؤ۔ یہ احساس ہے جو اگر اسکے اندر پیدا ہو جائے تو وہ خدا کی سزا سے بچ سکتا ہے اور اصل سزا وہی ہے ؞

ہندو مسلمانوں کو چاہیئے۔ کہ ایک دوسرے کے بزرگوں کی خوبیوں پر نظر رکھیں اور یہی طریق قیام امن کا موجب ہو سکتا ہے اسی لئے مَیں نے ایسے جلسوں کی بنیاد رکھی تھی۔ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خوبیاں دنیا کے سامنے پیش کی جا سکیں۔ اور اگر دوسری قومیں بھی اپنے مذہبی پیشواؤں کے متعلق ایسا انتظام کریں تو بشرطیکہ کوئی پولیٹیکل فائدہ انکے مدِ نظر نہ ہو۔ ہم ان میں بھی ضرور شامل ہونگے ہمارا یہ سمجھ لینا کہ فلاں شخص خادم ملک و ملت تھا ہماری ہتک نہیں۔ بلکہ یہ معنی رکھتا ہے۔ کہ ہماری آنکھیں درست ہیں۔ یہی طریق ہے۔ جس سے مختلف اقوام میں صلح ہو سکتی ہے کہ جس کسی نے کوئی خدمت کی ہے اس کا اعزاز کیا جائے اسی لئے مَیں نے ان جلسوں کی تحریک کی تھی۔ اور مَیں پھر کہتا ہوں کہ اگر ہندو اور سکھ بھی ایسا انتظام کریں۔ اور وہ کسی سیاسی غرض سے نہ ہو۔ تو ہم اس میں بھی ضرور حصہ لینگے۔ ہم جسے نیک کام سمجھتے ہیں۔ اس میں حصہ لینے کے لئے بخوشی تیار ہیں میں امید کرتا ہوں مذہب سے دلچسپی رکھنے اور خدا کے دین کو دنیا میں قائم کرنے والے خواہ وہ ہندو ہوں یا سکھ یا ہماری طرح مسلمان سب ملکر کوشش کرینگے۔ کہ ان فسادات کو دور کیا جائے۔ اور فتنہ کو مٹایا جائے جن بزرگوں کا ادب و احترام ضروری ہے۔ ان کا مناسب احترام کیا جائے۔ اور جو باتیں قوموں کے اخلاق بگاڑنے کا موجب ہوں انکی پورے زور سے مذمت کیجائے ؞

یہ رسالہ ہر انگریزی مہینے کی پانچ تاریخ کو قادیان دارالامان ضلع گورداسپور پنجاب سے شائع ہوتا ہے

Digitized by Khilafat Library Rabwah

حکیم کنز ایس کے برمن کی

سخت امراض کی
مجرب پیٹنٹ دوائیں

تارا ٹریڈ مارک رجسٹرڈ

سردرد اور ریاحی درد کی دوا

سردرد ریاحی درد کی تکلیفوں کو وہی اشخاص خوب جانتے ہیں۔ جنہیں ایسے دردناک تکلیفوں کے برداشت کرنیکے موقع پیش آئے ہوں۔ اس میں شک نہیں کہ یہ درد نہایت تکلیف دہ ہوتے ہیں۔ جب ذرا سی دیر میں بڑھ جاتے ہیں تو مریض گھبرانے لگ جاتا ہے۔ ایسی حالت میں یہ دوا فوراً فائدہ کرتی ہے ریاحی درد مثلاً ٹیس چمک ٹیک۔ رگوں میں لہر۔ سرن اور کنکنی وغیرہ کیلئے اس سے بہتر اور زود اثر کوئی دوا اسوقت تک ثابت نہیں ہوئی اسلئے ایک شیشی منگا کر آپ ایک بار اسکی ضرور آزمائش کریں *

قیمت بارہ ۱۲ ٹکیوں کی شیشی دس آنہ ۱۰؍ محصولڈاک چھ آنہ ۶؍ تین شیشی ۱؍۱۲ محصولڈاک چھ آنہ ۶؍

کیشراج تیل

(خوشبودار تیلوں کا شاہ)

یہ وہی خوشبودار تیل ہے جسکی تعریف کانگریس کے پریسیڈنٹ پنڈت موتی لال جی نہرو مہاتما گاندھی سروجنی نائیڈو وغیرہ لیڈروں نے صدق دل سے کی ہے۔ اسکے استعمال سے دماغ تروتازہ رہتا ہے یہ انکی اشیاء کو شامل کرکے بنایا گیا ہے جو سر اور آنکھوں کیلئے فائدہ مند ہیں اسکی خوشبو دیرپا اور نہایت دلپسند ہے اسمیں ہاٹ آئل وغیرہ کوئی مضر صحت اشیاء شامل نہیں ہے قیمت فی شیشی ایک روپیہ ۱ محصولڈاک آٹھ آنہ ۸؍

مفت

خوشبودار اور فائدہ مند

کیشراج تیل

کا نمونہ

اس کوپن کو بھیجنے سے آپکو بھیجا جائیگا

ہوشیار! ہماری تمام ادویات "تارا" ٹریڈ مارک دیکھکر خرید کیجئے۔

نوٹ۔ ہماری دوائیں سب جگہ ملتی ہیں ہمارے ایجنٹ دوا فروشوں سے خریدنے سے وقت اور محصولڈاک میں بچت ہوگی

(صیغہ نمبر ۱۱۷) پوسٹ بکس نمبر ۵۵۴ کلکتہ

ایجنٹ۔ شیخ محمد وارث رحمت علی۔ مرچنٹ۔ گورداسپور پنجاب